محدث

وداعیا الی اللہ باذنہ
وسراجا منیرا

مجلس التحقیق الاسلامی گارڈن ٹاؤن لاہور

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰ روپے زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر ربینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

ماہنامہ — لاہور

(فون) صدر دفتر: ۳۵۴۲۵۰ — ذیلی دفتر: ۵۴۸۷۳

جلد ۷ — محرم الحرام ۱۳۹۷ھ — عدد ۱

فہرست مضامین

۱۔ فکر و نظر ..... حکمران کے سرکاری اور نجی دورے اور مصارف .... اداریہ — ۲

۲۔ الکتاب والحکمۃ ...... اسلام کا پارلیمانی نظام ..... مولانا عزیز زبیدی — ۷

۳۔ السنۃ والحدیث ... قومی خواہشات نہ کثرت ″ — ۱۳

۴۔ دارالافتاء ... صرف اللہ اللہ کا ذکر۔ مشرکوں کے بُنے ہوئے
کپڑوں کا استعمال۔ جابر جعفی۔ ابن قرظہ —
(ایک تعاقب اور اس کا جواب) مولانا عزیز زبیدی — ۲۰

۵۔ شعر و ادب .... حجاباتِ نظر (نظم) ...... احسان دانش) — ۲۶

۶۔ مقالات ..... سیرت فاروق اعظمؓ کا ایک باب ...... پروفیسر منظور احسن عباسی — ۲۷

۷۔ بحث و نظر ... انیسویں صدی کی واحد سیاسی جماعت ... پروفیسر محمد سلیمان اظہر — ۳۶

۸۔ سیر و سوانح ..... مولانا قاضی عبدالاحد خانپوری ...... پروفیسر قاری فیوض الرحمٰن — ۴۱

۹۔ تعارف و تبصرہ کتب ... فقہائے ہند (دوم) جنازہ غائبانہ ا۔ ش
تاریخ اہل حدیث۔ مسلمان خواتین کے لیے ۲۰ سبق ع۔ ز — ۴۴

ناشر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی — طابع: چودھری رشید احمد — مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

زر سالانہ: ۱۵٫۰۰ روپے — فی پرچہ ۱٫۵۰ روپیہ

فکر و نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکمران کے سرکاری اور نجی دورے اور مصارف

ہر عوامی حکمران کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ دورے کرے، عوام کے حالات سے باخبر رہے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ ان کے کیا مسائل ہیں ——؟ اس قسم کے دورے سرکاری حیثیت کے دورے ہوتے ہیں۔ اس سلسلے کے جتنے مصارف ہوتے ہیں سرکاری خزانہ کے ذمے ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ مصارف مسرفانہ نہ ہوں —— ورنہ ضرورت سے زیادہ جو اخراجات ہوتے ہیں، شرعاً سرکاری بیت المال ان کا ذمہ دار نہیں ہوتا، اس کے باوجود اگر اپنے اقتدار کی دھونس کے ذریعے وہ اس سے وصول کر لیتا ہے تو قوم اس کے خلاف احتجاج کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔

کچھ دورے محض انتخابی، یا اپنی پارٹی کے استحکام کے لیے کیے جاتے ہیں —— اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سرکاری داعیہ کے بجائے محض ان کی ذاتی دلچسپی یا نجی مصالح کے آئینہ دار ہوتے ہیں تو یہ سب صورتیں "نجی دورے" کے ضمن میں آتی ہیں۔

ان نجی دوروں یا ذاتی مصالح کے سلسلے کے جتنے مصارف ہوتے ہیں، ان کا ذمے دار عوامی بیت المال نہیں ہوتا، وہ دورہ کرنے والوں کی ذاتی جیبوں کے ذمے ہوتے ہیں۔ اسی طرح سرکاری کوئی بھی چیز ان کی ذاتی ضروریات کے لیے استعمال نہیں کی جا سکتی۔ ورنہ اسے بھی عوام اور ملک و قوم کے استحصال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے!

افسوس! موخر الذکر قسم کے دوروں کے مصارف یا اپنی نجی ضروریات کے لیے سرکاری اشیا مثلاً سواری، قلم، دوات، سیاہی، کاغذ، نوکر اور دوسری چیزیں عموماً ذاتی حیثیت میں استعمال کرنے کا عام رواج ہے۔ وہ حکمران مسلم ہو یا غیر مسلم، قومی نمائندے ہوں یا حکام اور عمال، سبھی اس مرض میں مبتلا ہیں، غالباً انھیں معلوم نہیں ہے کہ: قیامت میں ان سب کے بارے میں باز پرس ہو گی — ایک سوئی تک بھی اگر سرکاری داعیہ کے بغیر بیت المال کی خرچ کی گئی تو اس کا بھی خدا کے ہاں حساب ہو گا —— چہ جائیکہ سرکاری خزانہ کی نقدی، سرکاری گاڑی، جہاز، ہیلی کاپٹر اور کاریں وغیرہ

کوئی شخص استعمال کرے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس سلسلے میں خلیفۂ ارشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زندگی کے وہ نمونے آپ کے سامنے رکھیں، جو انھوں نے ایک خلیفہ کی حیثیت سے چھوڑے ہیں۔

وہ رات کو خلافت کا کام بیت المال کی شمع سامنے رکھ کر انجام دیتے تھے، لیکن جب اپنا کام کرنا ہوتا تو اس شمع کو اٹھوا دیتے اور ذاتی چراغ منگوا کر کام کرتے (طبقات ابن سعد)

فرات بن مسلمہ ہر جمعہ کو ان کی خدمت میں سرکاری کاغذات پیش کیا کرتے تھے، ایک دن انھوں نے کاغذات دکھائے تو انھوں نے اس میں سے بقدر ایک بالشت کے سادہ کاغذ لے لیا اور اپنے ذاتی کام میں لائے۔ چونکہ فرات کو ان کی دیانت کا حال معلوم تھا، اس لیے انھوں نے دل میں کہا کہ امیرالمومنین سے بھول چوک ہو گئی ہے، دوسرے دن انھوں نے ان کو مع کاغذات کے طلب کیا، وہ آئے تو ان کو کسی دوسرے کام کے لیے بھیج دیا وہ بیٹھے تو بولے کہ اب تک تمھارے کاغذات دیکھنے کا موقع نہیں ملا، اس وقت جاؤ پھر بلا لوں گا۔ انھوں نے گھر جا کر کاغذات کھولے تو جتنا کاغذ کل لیا تھا اتنا اس میں موجود پایا۔

فقراء و مساکین کے لیے بیت المال کے مصارف سے جو مہمان خانہ قائم کیا تھا اس سے نہ خود فائدہ اٹھاتے تھے اور نہ خاندان میں کسی شخص کو فائدہ اٹھانے دیتے تھے، عام طور پر حکم دے رکھا تھا کہ ہمارے غسل اور وضو کا پانی مہمان خانہ کے باورچی خانہ میں گرم نہ کیا جائے، ایک بار ان کی لاعلمی میں ملازم نے ایک ماہ تک وضو کا پانی مطبخ عام میں گرم کیا، ان کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کر دی (ابن سعد)

ایک بار سرکاری کوئلے سے گرم کیا ہوا پانی وضو کے لیے آیا تو وضو کرنے سے انکار کر دیا۔

ایک بار غلام کو گوشت کا ایک ٹکڑا بھوننے کے لیے دیا۔ وہ سرکاری باورچی خانے سے بھون لایا تو بولے کہ:

تمھی کھاؤ، یہ تمھاری قسمت میں لکھا ہوا تھا، میری قسمت میں نہ تھا۔

ایک دن گھر میں آئے تو دیکھا کہ لونڈی ایک پیالے میں تھوڑا سا دودھ لیے ہوئے ہے۔ بولے یہ کیا ہے؟

اس نے کہا کہ آپ کی زوجہ (بیوی) حمل سے ہیں ان کو دودھ کی خواہش ہوئی اور حمل کی حالت میں اگر عورت کے دل میں خواہش پیدا ہو اور وہ پوری نہ کی جائے تو اس سے اسقاطِ حمل کا اندیشہ

ہوجاتا ہے، اس لیے یہ دودھ میں دارالضیافت سے لائی ہوں، انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے بیوی کے پاس لے گئے اور کہا۔

اگر عمل کو فقراء اور مساکین کے کھانے کے سوا کوئی چیز قائم نہیں رکھ سکتی تو خدا اس کو قائم نہ رکھے۔

اب بی بی نے لونڈی سے کہا کہ:

اس کو واپس کر آؤ میں اسے نہ پیوں گی۔ (ابن سعد)

یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ:

اگر آپ خود مہمان خانے کے کھانے سے احتراز کریں گے تو اور لوگوں کو بھی احتراز ہوگا، اب وہ باورچی خانہ میں معاوضہ داخل کر کے لوگوں کے ساتھ شریکِ طعام ہونے لگے۔

ایک بار انھوں نے اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ:

مجھے ایک رحل خرید دو، وہ ایک رحل لائے جس کو انھوں نے بہت پسند کیا اور بولے کہ: اس کو کہاں سے لائے ہ؟

انھوں نے کہا کہ:

میں نے سرکاری مال خانے میں یہ لکڑی پائی اور اسی کی یہ رحل بنوائی۔

فرمانے لگے:

جاؤ بازار میں اس کی قیمت لگواؤ۔

وہ گئے تو لوگوں نے نصف دینار قیمت لگائی، انھوں نے آکر خبر دی تو انھوں نے کہا کہ:

تمھاری کیا رائے ہے، ہم بیت المال میں ایک دینار داخل کر دیں تو ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے؟

انھوں نے کہا کہ:

قیمت تو نصف دینار لگائی گئی ہے۔

فرمانے لگے:

بیت المال میں دو دینار داخل کر دو۔ (ابن سعد)

ایک بار ایک شخص نے ان کی خدمت میں کھجوریں روانہ کیں، آدمی کھجوریں سامنے لایا تو پوچھا ان کو کس چیز پر لائے ہو؟

اس نے کہا کہ ڈاک کے گھوڑوں پر، چونکہ ڈاک کا تعلق سرکاری چیزوں سے تھا اس لیے حکم دیا کہ:

کھجوروں کو بازار میں لے جا کر فروخت کر دو۔

وہ بازار میں آیا تو ایک مروانی نے اس کو خرید لیا اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا، جب کھجوریں سامنے آئیں تو بولے کہ یہ تو وہی کھجوریں ہیں۔ یہ کہہ کر کچھ کو سامنے کھانے کے لیے رکھ لیا اور کچھ گھر میں بھیج دیں، لیکن بیت المال میں قیمت داخل کر دی۔

ایک بار انھوں نے لبنان کے شہد کا شوق ظاہر کیا، ابن معدی کرب وہاں کے عامل (گورنر) تھے۔ ان کی بیوی نے ان کو کہلا بھیجا اور انھوں نے وہاں سے بہت سا شہد بھیج دیا، شہد سامنے آیا تو بیوی کو خطاب کر کے کہا کہ:

غالباً تم نے معدی کرب کے ذریعے سے اس کو منگوایا ہے۔ پھر اس کو فروخت کرا کے بیت المال میں قیمت داخل کر دی اور معدی کرب کو لکھا کہ:

اگر تم نے دوبارہ ایسا کیا تو تمہارا منہ بھی دیکھنا پسند نہیں کروں گا۔

ایک بار ان کی بیوی نے ڈاک کی سواری پر ایک آدمی کو روانہ کیا اور وہ دو دینار کا شہد خرید لایا، شہد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے آیا اور یہ واقعہ معلوم ہوا تو انھوں نے اس کو فروخت کر ڈالا اور دو دینار واپس لے کر بقیہ قیمت بیت المال میں داخل کر دی اور کہا کہ:

"تم نے مسلمانوں کے جانور (یعنی سرکاری ڈاک کی سواری) کو عمر کے لیے تکلیف دی" دوسری روایت میں ہے کہ:

انھوں نے کہا کہ: اگر مسلمانوں کو میری قے سے فائدہ پہنچ سکتا تو میں قے کر دیتا۔

ایک بار سرکاری سیب تقسیم فرما رہے تھے، ان کا ایک صغیر السن بچہ آیا اور ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا، انھوں نے سیب کو اس کے ہاتھ سے نہایت سختی کے ساتھ چھین لیا۔ بچہ روتا ہوا ماں کے پاس آیا۔ اس نے بازار سے سیب منگوا کر اس کو دے دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز گھر آئے تو سیب کی خوشبو سونگھ کر بولے کہ کہیں سرکاری سیب تو گھر میں نہیں آئے؟ ان کی بیوی نے واقعہ بیان کیا تو بولے کہ:

میں نے سیب اپنے بچے سے چھینا تو گویا اپنے دل سے چھینا لیکن مجھے یہ پسند نہ آیا کہ خدا کے سامنے مسلمانوں کے سیب کے لیے اپنے آپ کو برباد کر دوں۔

ایک ان کی لڑکی نے ایک موتی بھیجا اور کہا کہ اس کا جوڑا بھیج دیجیے تاکہ میں کانوں میں ڈالوں، انھوں نے اس کے پاس آگ کی دو چنگاریاں بھیجدیں اور کہا کہ اگر تم ان چنگاریوں کو کان میں ڈال سکو تو میں اس موتی کا جوڑا بھیج دوں گا ؟ (سیرت ابن عبد الحکم)

خناصرہ میں اگرچہ اگلے خلفاء نے بہت سے مکانات بنوائے تھے لیکن چونکہ وہ بیت المال کی آمدنی سے تعمیر ہوئے تھے، اس لیے جب وہاں گئے تو ان مکانات میں اترنا پسند نہیں کیا اور میدان میں قیام کیا۔ (الیعقوبی ـــ ماخوذ از سیرت عمر بن عبد العزیز)

سرکاری اور نجی حیثیت میں سرکاری اشیاء سے استفادہ کرنے میں یہ شرعی پابندیاں ہیں جن کو ایک خلیفۂ راشد نے ہر قدم پر ملحوظ رکھا اور رکھنا چاہیے۔ کیونکہ سرکاری دولت، پوری قوم اور ملک و ملت کی امانت ہوتی ہے، خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت، اعلیٰ ہو یا معمولی، وہ کسی بھی سرکاری ملازم کے لیے مباح نہیں ہوتی کیونکہ اپنے جاہ و منصب کے ذریعے عوامی استحصال کی یہ ایک بدترین مثال ہے۔ مگر افسوس! دنیا کے کسی بھی خطہ میں، کوئی بھی حکمران، کوئی حاکم، کوئی سرکاری ملازم اور کوئی اہل کار اس سلسلے کی بے احتیاطی کے سنگین نتائج کا کچھ احساس نہیں کرتا۔ جب آخرت میں پوری قوم بلکہ ملک کی پوری آبادی اس قرض کی وصولی کے لیے خدا کے ہاں مقدمہ داخل کرے گی۔ اس وقت کوئی، کس کس سے پیچھا چھڑائے گا اور خدا کو اس کا کیا جواب دے گا؟ بظاہر یہ سب باتیں معمولی معلوم ہوتی ہیں مگر اخروی جواب دہی کے لحاظ سے اور ملک و ملت کی ایک سرکاری امانت کے اعتبار سے اس کی جواب دہی کے جو متوقع خطرات درپیش ہیں، وہ بہت ہی سنگین ہوں گے ـــ لیکن افسوس! یہ مرحلہ جس قدر احتیاط طلب تھا اسی قدر بے احتیاطی اس میں راہ پاگئی ہے، اور جس قدر سنگین تھا، اسی قدر اور اسی وسعت کے ساتھ عام ہو گیا ہے۔ فالی اللہ المشتکی

ترمذی شریف مع اردو ترجمہ

ترمذی شریف مترجم از علامہ بدیع الزمان صاحب برادر اکبر علامہ وحید الزمان خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف احادیث اعراب کے ساتھ، بالمقابل سلیس اردو ترجمہ، ہر حدیث کے نیچے نہایت شاندار شرح جو کہ ایک عالم اور عام آدمی کے لیے یکساں مفید ہے۔ کاغذ سفید گلیز، سنہری ڈائی دار جلد۔ علاوہ ازیں عربی، اردو، دینی کتابیں خریدنے اور بیچنے کے لیے ہمیں یاد فرمائیں۔

رحمانیہ دار الکتب۔ امین پور بازار۔ لائلپور

الکتاب والحکمۃ

عزیز زبیدی۔ واربرٹن

اسلام کا پارلیمانی نظام

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا ھُمْ یَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّھِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ (پ۲۵۔ شوریٰ ع۴)

"غرض جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے (وہ تو) دنیا کی زندگی کا (صرف چند روزہ) ساز و سامان ہے اور جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ بہتر (بھی) ہے اور لازوال (بھی مگر) صرف ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور (یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے) جو کبیرہ گناہوں اور اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آجاتا ہے (تو) وہ ان سے درگزر کرتے ہیں اور (یہ) وہ (بندگان خدا ہیں) جو اپنے رب کے لیے سراپا تسلیم و رضا بن کر رہتے ہیں اور نمازیں قائم کرتے ہیں اور ان کے سب کام باہمی صلاح و مشورہ سے ہوتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رزق کو (ہماری راہ میں) خرچ بھی کرتے ہیں اور (یہ وہ لوگ ہیں) کہ جب ان پر بے جا زیادتی ہوتی ہے تو وہ (ان سے اپنا) بدلہ لے لیتے ہیں۔"

دنیا بذات خود بری نہیں مگر یہ صرف "وقت کٹی" کا نام ہے، ہاں اسے لازوال بھی بنایا جا سکتا ہے۔ یعنی جو خدا کے پاس ہے، اسے اس کی رضا کے مطابق حاصل کیا جائے تو وہ صرف دنیا بردوش نہیں ہوگا بلکہ آخرت در بغل بھی ہوگا۔ گویا کہ اب دنیا عبادت بھی بن جاتی ہے۔

دونوں جہان۔ مگر یہ دولت "ایرے وغیرے نتھو خیرے" کے لیے نہیں ہے، صرف ان خوش نصیب اور سعادت مند انسانوں کے لیے ریزرو ہے جو

۱۔ رب کے سلسلے میں بے یقینی کے مریض نہیں ہیں، انھیں اس امر پر کامل بھروسہ ہوتا ہے کہ: خدا کے تشخیص کردہ "نظامِ حیات" میں دارین کی فلاح اور صلاح دونوں مضمر ہیں (یَتَوَکَّلُوْنَ)

(ب) گو وہ بشری کمزوریوں سے بالکلیہ محفوظ نہیں ہوتے تاہم ان کے شب و روز بدنام بھی نہیں ہوتے ان کی زندگی میں "عریانی اور فحاشی" نمایاں نہیں ہوتی۔ (یجتنبون)

(ج) وہ عالی ظرف ہوتے ہیں (ھم یغفرون)

(د) ان کا سراپا اپنے رب کے حضور تسلیم و رضا کا پیکر ہوتا ہے (استجابوا لربھم)

(ر) اقامتِ نماز میں وہ جس طرح اپنے کو پیش کرتے ہیں، وہی سراپا خارج نماز میں بھی ان کا برقرار رہتا ہے (اقاموا الصلوٰۃ)

(س) ان کے معاملاتِ زندگی باہمی مشورہ پر مبنی ہوتے ہیں (شوریٰ بینھم)

(ف) پر یہ شورائیہ جلبِ زر کا حیلہ نہیں ہوتی بلکہ اسکے ارکان راہِ حق اور خدمتِ خلق میں اپنا گھر پھونک کر اپنے اجتماعی مستقبل کا تحفظ کرتے ہیں اور عوام کا بھلا چاہنے میں وہ پورے اخلاص اور دیانتداری کے ساتھ لُٹ جانے کو پا جانا تصور کرتے ہیں (ینفقون)

(ی) لغزش ممکن ہے لیکن زیادتی اور بغاوت کے سلسلے میں مداہنت نہیں کرتے بلکہ پورا پورا چکا دیتے ہیں (ھم ینتصرون)

اسلام کا پارلیمانی نظام۔ مملکت کی قومی اور صوبائی اسمبلیوں بلکہ دوسرے تمام ذیلی اداروں کے اراکین کی وہی صفات ہونی چاہییں جن کا اوپر کی آیات میں ذکر آیا ہے۔ کیونکہ انہی کے تذکار میں شورائیہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ملتِ اسلامیہ کی شورائیہ کے ارکان وہ نہیں ہوتے جو عموماً قوم کو دیکھنے میں آتے ہیں، یہ تو بدنصیب قوم کو دیکھنا پڑ گئے ہیں۔ ملت اسلامیہ کی یہ بہت بڑی بدنصیبی ہے کہ: ان لوگوں نے "شورائیہ اور پارلیمانی نظام" کا تصور تو قرآن سے لے لیا ہے مگر قرآن سے شورائیہ کے اراکین کی صفات کے بارے میں پوچھنے سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ حالیہ پارلیمانی نظام کے تین بڑے ستون ہیں (۱) انتخاب (۲) خواہش نفس اور (۳) اکثریت۔

انتخاب کا ڈھونگ رچاتے ہیں مگر یوں کہ: ملک کے صدر اور قوم کے دوسرے زعما کا ووٹ اور ایک ادنی اور بے سمجھ انسان کا ووٹ ایک برابر رہتا ہے۔ اہلِ علم اور جاہل کی رائے کی حیثیت بالکل ایک جیسی، اسی طرح امیدوار ایک پڑھا لکھا اور دوسرا ان پڑھ، ایک صالح اور دوسرا بدنام، دونوں میں مقابلہ جائز ــــ حالانکہ قرآن کا کہنا ہے کہ: یہ سب برابر نہیں ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُوْنَ (پ۲۱ ۔ سجدہ ع۲) قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ

وَالطَّيِّبُ (پ - مائدہ ۱۳ع) مَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ (پ ۲۲ - فاطر ع) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (پ ۲۳ - زمر ع)

خواہش - ان سطحی انتخابیوں کی دوسری بنیادی بات ان کا یہ فیصلہ ہے کہ: اپنی خواہش کے مطابق اپنا نظام آپ چلائیں - قرآن کہتا ہے، ان کی خواہش کو قانونی درجہ حاصل ہو تو کجا وہ تو نوع انسان کی مت مارنے کی اور آخرت کے لیے غارت گر ثابت ہوگی - کیونکہ خواہش نفس کے غلام، نوع انسان کی امامت کے قابل نہیں رہتے، وہ حیوان یہ انسان، حیوان انسان کا امام کیسے بن سکتا ہے: اس لیے فرمایا کہ: ایسے لوگوں کی پیروی نہ کریں، وہ آپ کے نمائندے نہیں ہیں، بلکہ وہ جنگلی جانوروں کے پیشوا ہیں، خود بھی گمراہ ہیں، دوسروں کی نیا بھی لے ڈوبیں گے، ان جانوروں کا کام ہی بھٹکنا اور بھٹکانا ہے - رہنمائی دینا نہیں ہے -

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (پ - مائدہ ع)

اور نہ اپنے ان بڑوں کی نفسانی خواہشوں پر چلو جو پہلے سے ہی گمراہ ہیں اور بہتیروں کو گمراہ کر چکے ہیں اور سیدھا رستہ کھو چکے ہیں -

حق تعالیٰ کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر جو اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے چلتے ہیں، خدا کے نزدیک وہ ... گمراہ اور سب سے بڑھ کر بے راہ ہوتے ہیں -

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (پ ۲۰ - قصص ع)

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر محض اپنی نفسانی خواہش کا اتباع کرتا ہے -

عہد حاضر کے پارلیمانی نظام میں قوم اور اس کے نمائندوں کی خواہشات کو ملحوظ رکھنا فرض عین ہوتا ہے لیکن قرآن کا فیصلہ ہے کہ مومن صرف حق کا اتباع کرتے ہیں -

وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (پ ۲۶ - محمد ع)

اور جو ایمان لائے انہوں نے اپنے رب سے آئے ہوئے حق کا اتباع کیا -

قانون حق اور آئین اسلام کے ہوتے ہوئے جو لوگ قانون سازی کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل خدا سے نہیں، اپنے نفس اور نفسانی خواہشات سے استصواب کراتے ہیں - گویا کہ وہ فائنل فیصلے کا حق صرف اپنی ان نفسانی امنگوں کو دیتے ہیں، قرآن کو نہیں دیتے — جو سرتا پا گمراہ کن اور غارت گر ہیں -

اسلام میں آزادیٔ رائے کا مفہوم مروجہ اور متداول مفہوم سے مختلف ہے - حیوانی خواہشات

کی بات نہیں بلکہ جسے وہ حق، صحیح اور اقرب الی الحق تصور کرتا ہے، اسے وہ ہر جگہ اور ہر وقت پیش کرنے کا مجاز ہے۔ جو لوگ صرف دو بالشت آنت، چار گز مکان اور جنسی بھوک کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہڑبونگ مچاتے اور داؤ پیچ لڑاتے ہیں، ان کے لیے آزادی رائے کی ارزانی "فساد فی الارض" پر منتج ہوتی ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ (پ ۱۸۔ مومنون ع ۴)

اگر حق کہیں ان کی (نفسانی) خواہشوں کے تابع ہو جاتا تو آسمان و زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں (بالکل) تباہ ہو جاتے۔

اکثریت۔ صرف اکثریت معیارِ حق نہیں ہے مگر موجودہ پارلیمانی نظام اسے ہی ازرب، اسے ہی قرآن اور اسے ہی رسول کا درجہ دیتا ہے۔ روئے زمین کے انسان ایک طرف ہوں اور حامل قرآن جو فردِ واحد ہو، دوسری طرف ہو، تو خدا کے نزدیک اسی فردِ واحد کا پلہ سب سے بھاری ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ:

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (انعام۔ ع ۱۴)

(اے پیغمبر!) اکثر لوگ تو دنیا میں ایسے ہیں کہ اگر ان کے کہے پر چلو تو وہ تم کو راہِ خدا سے بھٹکا کے چھوڑیں۔

کیونکہ اکثریت عموماً ان جان ہوتی ہے۔

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (پ ۱۴۔ النحل ع ۱)

بلکہ وہ کم عقل ہوتی ہے۔ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (پ ۲۱۔ عنکبوت ع ۶)

بلکہ اکثریت بے ایمان بھی ہوتی ہے۔

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (پ ۱۔ بقرہ ع ۱۳)

بلکہ اکثریت حق سے نفرت کرتی ہے۔

وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ (پ ۱۸۔ مومنون ع ۴)

اگر کہیں کوئی اکثریت "کلمہ گو" ہے بھی تب بھی "شرک" کی آمیزش سے وہ پاک نہیں ہوتی۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (پ ۱۳۔ یوسف ع ۱۲)

کیونکہ ان میں ان کی اوہام پرستی، نجی لالچ، مفادِ عاجلہ کی خواہش، مداہنت، لومۃ لائم کا خوف وغیرہ جیسی قباحتوں کی آمیزش ہو ہی جاتی ہے۔ اس لیے اسلام میں اکثریت کو بالکلیہ میزانِ حق نہیں

قرار دیا جاسکتا۔

اسلامی پارلیمانی نظام میں غیر منصوصی امور میں صلاح و مشورہ کی پابندی ضرور ہے لیکن محض وضوحِ حق اور صواب کے لیے، اس کے بعد میرِ مجلس آزاد ہوتا ہے، جیسے وہ ملک و ملت اور اسلامی مستقبل کے لیے مناسب تصور کرے، فیصلہ دے سکتا ہے۔ مشورہ "امیر المومنین" کو باندھنے کے لیے نہیں تجویز کیا گیا بلکہ ان کے سامنے صرف "وضوح" کے لیے کیا گیا ہے، جیسے عدالتوں میں وکلاء کی بحث و تمحیص کے بعد جج اور قاضی آزاد ہوتا ہے کہ پیش آمدہ امر کے لیے جو بحث و تمحیص ہوئی ہے اس کی روشنی میں وہ جس نتیجے پر پہنچے فیصلہ صادر کر سکتا ہے، اسے وکلاء کی اکثریت کے تابع نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ صلاح و مشورہ کی اور کسی بھی صنف میں مشورہ لینے والے کو مشورہ دینے والوں کی اکثریت یا اقلیت کے تابع مہمل نہیں بنایا جاتا۔ پھر یہاں کیوں؟ اصل میں یہ پابندی اس وقت تشخیص ہوئی ہے جب بے دین، خدا سے بے خوف اور جاہ پرستوں کا دور دورہ شروع ہوا ہے۔ نیک اور بے لوث امیر المومنین کے لیے یہ پابندی ایک بے جا بدگمانی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ بہرحال کثرت کو "قاطع نزاع" کی حد تک بھی تسلیم کرنا ہمارے نزدیک محلِ نظر ہے، کیونکہ یہ اکثریت بھی بعض اوقات اغراضِ سیئہ کی بنا پر "مکھی پر مکھی" مارنے سے دریغ نہیں کیا کرتی بالخاص کر موجودہ نام نہاد دورِ جمہوری میں تو "اکثریت" عموماً حق و انصاف کی قائل بھی ہے اور پارلیمانی ہاؤس میں عصبیت کا مکروہ دیوبھی۔ اس لیے اگر یہ ایک کے مقابلے میں ہزار بھی ہوں تو وجہ طمانیت اور "حق و صداقت" کا اب حتمی اور واقعی معیار نہیں رہا۔ الا ماشاء اللہ۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

(پ۷۔ المائدہ ع۱۳)

ترجمہ۔ آپ (ان سے) فرما دیں کہ: ناپاک (گندے) اور پاک (ستھرے) (دونوں) برابر نہیں ہو سکتے، اگرچہ گندوں کی کثرت آپ کو حیرت میں ڈالتی ہو۔

شوراٰئیہ، میرِ کارواں کو باندھنے کے لیے تشخیص نہیں کی گئی بلکہ "وضوحِ حق" کے لیے اس کی مدد کرنے کی یہ ایک سبیل ہے، جیسے عدالتوں میں وکلا کی حیثیت ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ جو بہکے اور بھٹکے ہوئے اراکین ہوتے ہیں، گو ساری قوم ان کو منتخب کر لے، تاہم ایک "بندۂ حنیف" سے مطالبہ ہے کہ ان کی پرواہ نہ کیجیے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (پ۶۔ مائدہ ع۱۰)

اور نہ ان لوگوں کی (نفسانی) خواہشات کے پیچھے چلو جو (۱) پہلے ہی گم کردہ راہ ہیں (۲) اور دوسروں کو گمراہ بھی کر چکے ہیں (۳) اور خود بھی راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں۔

شورائیہ، اسلام کی رُو سے اشد ضروری ہے لیکن اس کے اراکین "دو صد خر" یا دو صد ہزار ابلیس نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ضروری ہے کہ وہ (۱) پختہ کار (۲) دیانتدار (۳) حامل کتاب (۴) اور سنتِ رسول کے وفادار ہوں، گو وہ چند ہوں تاہم کام کے ہوں، رہنمائی دے سکتے ہوں، کسی کی زلفِ گرہ گیر کے ایسے اسیر نہ ہوں کہ ایمان اور ضمیر کو بھی اس پر قربان کر ڈالیں۔ ان نمائندگانِ قوم کے نقوشِ پا کا اتباع "مطلوب" بھی ہے اور فلاحِ دارین کا موجب بھی۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (پ ۲۱ - لقمان ع ۲)

یعنی ان لوگوں کی راہ پر چل جن کا رخ ہماری طرف رہتا ہے۔

فیصلہ کی بنیاد، حیوانی خواہش، نہ کثرت، بلکہ حق اور صرف حق ہے۔

قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ (پ ۷ - الانعام ع)

کہہ کہ میں تمہاری خواہشوں پر تو چلتا نہیں، ایسا کروں تو میں اس صورت میں گمراہ ہو چکا اور ان لوگوں میں نہ رہا جو راہ راست پر ہیں۔

فرعنہ کی پوری کابینہ اور شورائیہ کا ایک ہی "مردِ مومن" حق بات کے لیے اڑ گیا اور پوری کابینہ اور شورائیہ کے طرزِ عمل اور فیصلے کے خلاف آواز بلند کی اور خدا کے ہاں معراج پا گئی (پ ۲۴- مومن ع) اس لیے بات کثرت کی نہ کیجیے! حق کی کیجیے! اگر باخدا سربراہِ مملکت کی نگاہ میں ایک فرد کی بات بھی اقرب الی الحق ہے تو وہ پوری کثرت کو نظر انداز کر کے اس کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔ قاطع نزاع دراصل اراکین اسمبلی کی کثرت نہیں بلکہ سربراہِ مملکت یا میرِ مجلس کی صوابدید ہے۔ باقی رہا یہ اندیشہ کہ: سربراہِ مملکت اگر بدنیت ہو تو پھر کیا بنے؟ اصل میں یہ بھی ایک فریبِ نفس ہے ورنہ یہی اندیشہ اکثریت کی بابت بھی ہو سکتا ہے؟ اور یہ ہم سب کا روز و شب کا مشاہدہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ ہم بات ایمانداروں کی کر رہے ہیں، بے ایمانوں کی نہیں!

آسان درس عربی کے پچیس ۲۵ آسان سبق

۴۰ دن میں

مصنفہ محمد یار راضی۔

بغیر استاد پڑھ کر عربی بول چال اور قرآن مجید کا ترجمہ سیکھیں۔ ہزارہا افراد مستفید ہو چکے ہیں۔ قیمت ۸۵/۴ روپے

آسان درسِ عربی کی کلید، قیمت ۸۵/۳ روپے۔ مکتبہ ایشیا ۱۰ اے بی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

السنۃ والحدیث

قومی خواہشات نہ کثرت

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا تَحْتَ ظِلِّ السَّمَآءِ مِنْ اِلٰہٍ یُّعْبَدُ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ ھَوًی مُّتَّبَعٍ (الترغیب والترھیب للمنذری طبع ھند بحوالہ طبرانی وابن ابی عاصم)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اللہ کے نزدیک آسمان کے نیچے، خواہش نفس جیسے پیر سے بڑھ کر ایسا اور کوئی "معبود" نہیں ہے جس کی پوجا کی جاتی ہو۔

اس حدیث کے سمجھنے کے لیے دورِ حاضر سے بڑھ کر شاید ہی کبھی اور کوئی ساز گار فضا پیدا ہوئی ہو۔ علم و دانش کے عہد سے پہلے جو دور رہا ہے، اسے "دورِ بے دانش" یا زیادہ سے زیادہ دورِ حیوانی کہا جا سکے گا، کیونکہ وہ "بے خبری کا" دور تھا، ایسے عالم میں انسان عموماً ویسے ہی زندگی گزارتا ہے، جیسے ایک جانور گزارتا ہے، لیکن ایسا دور جو علم و ہوش کا دور کہلاتا ہو جو تمام اعمال اور احساسات کا ایک پس منظر، اور ایک فلسفہ رکھتا ہو، جس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ایک آئین اور دستور کے تابع ہو، اس دور میں، جب قومی خواہشات کو ایک آئینی اور قانونی حیثیت حاصل ہو قومی امنگوں اور حیوانی دلچسپیوں کی اساس پر پوری مملکت کی عمارت کھڑی کی جاتی ہو تو دراصل وہی دور اس حدیث کے مفہوم تک زیادہ رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک، جمہوری نظام کے گن گائے جا رہے ہیں اور جمہوریت کی یہ تعریف کی جا رہی ہے کہ جو قومی امنگوں اور خواہشات کے احترام پر مبنی ہو اسے جمہوریت کہتے ہیں ——— یہی وہ مقام ہے جہاں ایک فطری سادگی "عبادت" کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اس لیے اب اگر یہ کہا جائے کہ دورِ حاضر کا سب سے بڑا معبود "نفس اور اس کی خواہشات" ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔

ہمارے نزدیک دورِ حاضر کا موجودہ جمہوری نظام قومی اور قومی نمائندوں اور اس کی خواہش نفس کے محور پر گھوم رہا ہے، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ اس نیلگوں آسمان کے نیچے اس دور کا "معبودِ اعظم" اس کا بہیمی نفس، بہیمی میلانات اور نفسانی خواہشات ہیں تو یہ ایک واقعہ اور حقیقت ہوگی۔

نفسانی خواہش اسے کہتے ہیں جو "بے خدا" ہو، اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جہاں شعوری طور پر لوگ احساسِ خدا سے ہمکنار ہیں اور جو سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آئین، قانون اور سیاسیات میں، خدا کی مرضی اور اس کے رسول کے اسوۂ حسنہ کو ملحوظ رکھا ہے، وہاں بھی ان کے دعوے کاغذی فریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، کیونکہ اب بھی عموماً وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کے "نفس امارہ" کا حکم ہوتا ہے — ان کے دعوے اور عمل کے اس تضاد نے "نفسانی خواہش" کے "معبودِ اعظم" ہونے کو اور واضح کر کے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ نفس کا یہ دیوتا اس آسمان کے نیچے واقعی سب سے زیادہ طاقت ور بھی ہے — کیونکہ نوعِ انسان کی انفرادی اور اجتماعی پوری زندگی اس کے سامنے سجدہ ریز ہے۔

انفرادی زندگی میں "بے خدا خواہشِ نفس" معصیت، اجتماعی زندگی میں "بے خدا سیاست" اور مذہبی حلقوں میں یہ "بدعت" کہلاتی ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی اخاف علی امتی من ثلاث من زلۃ عالم و من ھوًی متبع و من حکم جائر

(رواہ البزار والطبرانی)

اپنی امت کے بارے میں مجھے تین چیزوں کا اندیشہ ہے (۱) عالم کی لغزش کا (۲) خواہشِ نفس کی تبہ رانی کا (۳) اور تیسرا ظالم فیصلہ کرنے والے کا۔

بدعت ۔ (بے خدا گر جاذب خواہش نفس) دراصل نفس کی مرغوب غذا ہے، لیکن ضمیر کی خلش سے نجات پانے کے لیے ایسے مذہبی حلقوں کو روحانی فریب کی آمیزش کے سہارے بھی مہیا کر دیے جاتے ہیں، اس لیے یہ بدعت (بے خدا خواہشِ نفس) یہاں پر فریب خوردہ مذہبی دنیا کو "سنت" سے بھی زیادہ عزیز بلکہ عزیز از جان ہو جاتی ہے، چنانچہ جہاں یہ ڈیرے ڈال لیتی ہے وہاں سے "سنت مطہرہ" اٹھ جاتی ہے۔

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ

(رواہ احمد والبزار)

ہمارے نزدیک اصلی اور مہلک بدعات میں سے ایک بدعت سیاسی بھی ہے جسے "سیاست بازنہ"

اختیار کر کے ملک اور قوم کے نام پر گوارا بنا لیتے ہیں ـــــ بالکل اسی طرح جس طرح مذہبی لوگوں کا حال ہے۔ شورائیہ۔ یہی حال "شوریٰ" اور "کثرت رائے" کا ہے۔ کہ سربراہِ مملکت "مشورہ" لینے کا پابند تو ضرور ہے لیکن اہل شوریٰ کے مشورے کے ساتھ بندھ نہیں جاتا، وہ اکثر ہوں یا اقل یا مساوی۔ کیونکہ اس سے غرض "وضوح" ہے باندھنا نہیں ہے۔

غزوۂ بدر میں بدری قیدیوں کے بارے میں حضورؐ نے صحابہ کی شورائیہ بلائی، کہ وہ اب آپ کے قابو میں آگئے ہیں، ان کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے؟ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے کہ ان کو تہِ تیغ کر دیا جائے، آپ نے سُن کر اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر آپ نے مکرّر پوچھا، پھر حضرت عمرؓ نے یہی مطالبہ کیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ بولے کہ ان سے فدیہ لے کر معاف کر دیا جائے۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ اگر پہلے ہی سے اللہ کا یہ قانون نہ ہوتا تو زرِ فدیہ لینے پر تم پر عذاب آجاتا:

قال الامام احمد: حدثنا علی بن هاشم عن حمید عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال استشار النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الناس فی الاساری یوم بدر فقال ان الله قد امکنکم منهم فقام عمر بن الخطاب فقال یا رسول الله اضرب اعناقهم فاعرض عنه النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ثم اعاد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال یا ایها الناس ان الله قد امکنکم منهم انما هم اخوانکم بالامس فقام عمر فقال یا رسول الله اضرب اعناقهم فاعرض عنه النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال للناس مثل ذالك فقام ابوبکر الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه فقال یا رسول الله نری ان تعفو عنهم وان تقبل منهم الفداء قال فذهب عن وجه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ما کان فیه من الغم فعفا عنهم وقبل منهم الفداء قال فانزل الله عزوجل: لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال ع۹) (تفسیر ابن کثیر ص۳۲۵ جلد دوم)

اس روایت سے یہ باتیں ثابت ہوئیں کہ:

۱۔ غیر منصوص امور میں مشورہ کرنا ضروری ہے۔ (استشار النبی صلعم الناس)

۲۔ دوسرا یہ کہ: مشورہ لینے والے، مشورہ کو رد بھی کر سکتے ہیں۔ (فاعرض عنه)

۳۔ تیسرا یہ کہ مزید وضاحت کے لیے مکرر سہ کرر بات کو دہرا سکتے ہیں (ثم اعاد)

۴۔ چوتھا یہ کہ: اگر مناسب سمجھا جائے تو مشورہ کو بعینہٖ قبول بھی کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اصل غرض مشورہ لینے والے کا اطمینان ہے، نہ ہو تو رد کر سکتا ہے، جیسے حضرت عمرؓ کا کیا، اگر اطمینان ہو جائے تو قبول بھی کر سکتا ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ کا کیا۔ (فعفا عنهم)

اس سے اکثر بھی ہوں تو بھی یہی کیفیت ہے: امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضور کے اس مشورہ کے موقع پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ بھی بولے تھے، انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ: آگ جلا کر ان کو جلا ڈالا جائے لیکن حضورؐ نے اس کی طرف بھی توجہ نہ دی، اس پر آراء مختلف ہوگئیں، کچھ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے ہمنوا ہوگئے، کچھ حضرت عمرؓ کے اور کچھ عبداللہؓ بن رواحہ کے ــــ موخرالذکر دو تو ان کو ختم کرنے کے درپے تھے صرف ختم کرنے کی کیفیت میں اختلاف رہا۔ تاہم ان کو معاف کرنے کے حق میں نہیں تھے، مگر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے قول پر عمل فرمایا۔

وقال الاعمش عن عمرو بن مرة عن ابی عبيدة عن عبدالله قال لما كان يوم بدر قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ما تقولون فی هولاء الاساری؟ فقال ابوبکر یا رسول الله قومك واهلك استبقهم واستانهم لعل الله يتوب عليهم وقال عمر یا رسول الله كذبوك واخرجوك فقدمهم فاضرب اعناقهم وقال عبد الله بن رواحة یا رسول الله: انت فی واد كثير الحطب فاضرم الوادی عليهم نارا ثم القهم فيه قال فسكت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فلم يرد عليهم شيئا ثم قام فدخل فقال ناس یاخذ بقول ابی بكر وقال ناس یاخذ بقول عمر وقال ناس یاخذ بقول عبد الله بن رواحة الحديث (قال ابن کثیر ص ۳۲۵/۲ رواه الامام احمد والترمذی من حديث ابی معاوية عن الاعمش به والحاكم فی مستدركه وقال صحيح الاسناد ولم يخرجاه)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ دونوں گروپوں کی کثیر تعداد کے مشورہ کی پرواہ نہ کی بلکہ اپنے اطمینان کے بموجب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ کو اختیار فرمایا۔ اس کے معنی ہیں کہ سربراہِ مملکت ایسا کر سکتا ہے: قرآن حکیم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ فرمایا کہ: ان سے مشورہ کیجیے جب کسی نتیجہ پر آپ پہنچ جائیں تو پھر کر گزریئے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران ع)

"یعنی ان سے مشورہ لیتے رہیے (لیکن جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو (پھر) اللہ پر بھروسہ رکھیے"

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گرفتار ہو کر آتے ہیں، انصار ان کو قتل کرنے کے حق میں ہیں، حضرت عمرؓ بھی ان کے ہمنوا ہیں مگر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے مشورے پر عمل کیا۔

اسره رجل من الانصار قال وادعت الانصار ان يقتلوه فبلغ ذلك النبی صلی الله تعالى عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم انی لم انم الليلة من اجل عمی العباس وقد زعمت الانصار انهم قاتلوه فقال له عمر افآتهم فقال نعم قال عمر الانصار فقال لهم

ارسلوا العباس فقال لا واللہ لا نرسلہ فقال لہم عمر فان کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رضیً قالوا فان کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رضیً فخذ لہ فاخذہ عمر . . .

قال واستشار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابا بکر فیھم فقال ابو بکر عشیرتک فارسلھم فاستشار عمر فقال اقتلھم ففداھم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۶ ج ۲ وقال، قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ)

مقصد یہ ہے کہ: شورائیہ، سربراہ مملکت کو باندھنے کے لیے تجویز نہیں کی گئی بلکہ اس سے تعاون کرنے کے لیے تشخیص کی گئی ہے تاکہ وہ مل کر صورتِ حال کا جائزہ لیں، پیش آمدہ مسئلہ پر روشنی ڈالیں یہاں تک کہ صدر کسی نتیجہ پر پہنچنے کے قابل ہو جائے، اس کے بعد وہ آزاد ہے، چاہے تو اکثریت کی بات پر عمل کرلے چاہے تو اقلیت کی بات پر کرے —— باقی رہی اس کو "اکثریت" کے پلے میں باندھنے کی پالیسی؟ سو ہمارے نزدیک یہ اسلامی روح کے خلاف ہے، اسلام دلائل، حقانیت، اور صداقت کی اہمیت پر زور دیتا ہے، بندوں کی آراء کو تولنے کی بات سمجھتا ہے، اس کو گننے کی بات نہیں کرتا۔ جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے ورنہ حق، حق نہ رہے بلکہ اکثریت ہی حق بن جائے۔ ایسی صورت میں "نزولِ وحی" کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ یہ کام تو ویسے بھی چلتا رہتا ہے۔

بعض ائمہ نے کہا ہے کہ آیت تریدون عرض الدنیا سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثریت کا نظریہ ہی "فدیہ لینے کا تھا اور اکثریت کے مطابق ہی فیصلہ ہوا مگر یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ یہ الزام اور تہدید صرف اس بنا پر وارد ہوئی ہے کہ:

فیصلہ کی بنا "فدیہ" کا نظریہ تھی، وہ تھوڑے تھے یا بہت؟ اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو یہ بات اور واضح ہو جائے گی کہ اکثریت کا حق پر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے ان پر عتاب نازل ہوا۔ فہو المراد! ہاں اس صورت میں اور جو بات سامنے آتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ اس سلسلے میں خطاءِ اجتہادی پر سزا ورگناہ معاف ہے۔

ارکانِ شورائیہ۔ ائمہ دین نے ان ارکان اور حضرات کی صفات بھی متعین کر دی ہیں جن سے مشورہ لینا مفید اور مناسب ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں، ان میں یہ پانچ خوبیاں اور محاسن ضرور پائے جائیں۔

صاحبِ تجربہ۔ سب سے پہلے یہ کہ وہ پختہ عمر اور تجربہ کار ہوں۔

احدھا عقل کامل مع تجربۃ سالفۃ (ادب الدنیا والدین ص ۲۷۳)

کمسن اور خام لوگ مشورہ کے اہل نہیں ہوتے الا ما شاء اللہ، مگر موجودہ دورِ حکومت میں اس شرط کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اس لیے اسمبلی اور اداروں میں ایسے لوگ بھرتی ہو جاتے ہیں جو تماشائی تو ثابت ہو سکتے ہیں مفید مشورہ کے قابل عموماً کم ہوتے ہیں۔

دیندار اور متقی ہوں ۔ دوسری صفت ان میں یہ ہو کہ وہ بازاری اور بے دین نہ ہوں، اہلِ دین اور متقی ہوں، کیونکہ ان کو جو سوچنا اور سمجھانا ہے، وہ انہی پاکیزہ اقدار کی روشنی میں سوچنا اور سمجھانا ہے، اصلاح اور نجاح و فلاح کا انحصار انہی پر ہے۔

والخصلة الثانية: ان يكون ذا دين وتقى فان ذالك عماد كل صلاح وباب كل نجاح ومن غلب عليه الدين فهو مامون السريرة موفق العزيمة (ادب الدنيا والدين للماوردی ص۲۷۳)

یہ ایک ایسی صفت ہے جو دنیا کی کسی بھی پارلیمنٹ اور شورائیہ کے لیے ضروری نہیں تصور کی جاتی، وہ دورِ حاضر کے مسلمان ملک ہوں یا غیر مسلم، یہی وجہ ہے کہ ہم نے ایک حیوان کی حیثیت سے تو شاید کہیں ترقی کی ہو لیکن بحیثیت ایک مسلم اور ملت اسلامیہ، شاید و باید ـــــ دنیا کا نقشہ آپ کے سامنے ہے۔

ملّی جذبات سے سرشار ہوں ۔ تیسری یہ بات ان کے لیے ضروری ہے کہ انہیں مسلم اور ملت اسلامیہ سے مخلصانہ محبت ہو اور وہ سوز کے حامل ہوں، خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہوں۔

والخصلة الثالثة: ان يكون ناصحا ودودا فان النصح والمودة يصدقان الفكر ويمحضان الرأى (ادب الدنيا والدين ص۲۷۴)

افسوس! یہ در نایاب، بالکل نایاب ہے، قوم کو اس کا احساس ہے نہ اربابِ حل و عقد کو، یہاں خدمت کے جذبہ سے شاید ہی کوئی آتا ہو، جو آتا ہے صرف اس لیے آتا ہے کہ وہ مخدوم بنے اور شاہزادگی کرے یعنی قوم کا کاروبار کرنے کو آتا ہے۔

نجی غم سے مغلوب نہ ہو ۔ گھریلو اور نجی ہموم اور غم و اندوہ سے اس درجہ مغلوب نہ ہو کہ وہاں بھی اسے اپنی ہی بپتا یاد رہے کیونکہ ایسے آدمی سے بے داغ رہنمائی کا حصول مشکل ہوتا ہے۔

والخصلة الرابعة: ان يكون سليم الفكر من هم قاطع وغم شاغل فان عارضت فكره شوائب الهموم لايسلم له رأى ولا يستقيم له خاطر (ادب الدنيا والدين ص۲۷۴)

اس سے مراد ایسا شخص ہے جو دائمی طور پر اس ابتلاء کی نذر ہو گیا ہو۔ باقی رہا وقتی معاملہ، سو

یہ ممنوع نہیں، کیونکہ اس سے بالکلیہ محفوظ بہر حال ابن آدم نہیں ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان حالات میں ان کو مشورہ دینے سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ اور ان کا ووٹ بھی شمار نہ کیا جائے۔

متعلقہ امر سے ان کی غرض وابستہ نہ ہو۔ پانچویں یہ بات ہے کہ ایسے آدمی کے مستصواب الرائے سے پرہیز کیا جائے، جس سے اس کی اپنی نجی غرض اور سیاسی حاجت وابستہ ہو، کیونکہ اب ایسے انسان کی رائے اور مشورہ مخدوش ہو جاتا ہے۔

والخصلة الخامسة: ان لا یکون لہ فی الامر المستشار غرض یتابعہ ولا ھوی یساعدہ فان الاغراض جاذبة والھوی صاد الرای اذا عارضہ الھوی وجاذبتہ الاغراض فسد۔

(ادب الدنیا والدین للماوردی ص۲۷۲)

اس کے معنی ہیں پارلیمنٹ میں ایسے ٹولے یا افراد کا ووٹ شرعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا، جس سے ان کی اپنی کوئی سیاسی اور نجی غرض وابستہ ہو، اس لیے اسمبلیوں میں عموماً جو توں میں جہاں دال بٹتی ہے وہاں سپیکر کے لیے یہ معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس ہاؤس میں کس کا ووٹ شمار ہونا چاہیے اور کس کا نہیں۔ مگر افسوس! سپیکر بھی اس سیٹ کی بھیک ہی مانگ کر آتا ہے۔ اس کی کیا مجال کہ وہ اس کی نشاندہی کرے۔ جان سے امان پائے اور خوفِ خدا کی بھی اس میں کچھ رمق موجود ہو تو پھر ممکن ہے کہ وہ کچھ ٹوں ٹاں کر پائے، ورنہ ؎

این خیال است و محال است و جنون

اسلامی شورائیہ کے ارکان کے یہ وہ خصائص ہیں، جن کو ملحوظ رکھنا گو ضروری ہوتا ہے مگر اب ان سے زیادہ غیر ضروری بات بھی اور کوئی نہیں رہی۔ فالی اللہ المشتکی۔

یہ صفات جیسے انفرادی معاملات کیلئے ضروری ہیں ویسے اجتماعی نظام میں بھی اہم اور ضروری ہیں۔

ہر گھر میں مقبول کتابیں

انوار التوحید بڑا سائز	۱۳/۵۰	شانِ رب العلمین	۲/۲۵	عالمِ عقبیٰ	۱۲/-
ساقیٔ کوثر	۱/۵۰	محمد بن عبدالوہابؒ	۱۲/-	بستان الربعین	۱/۵۰
تہذیب النسوان	۱۶/۵۰	نمازِ جنازہ	۱/۵۰	انوار الزکوٰۃ	۵/۲۵
اسلامی خطبات	۳۱/۰۰				

مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

نعمانی کتب خانہ۔ حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

دارالافتاء

حافظ ثناء اللہ (?)

استفتا

صرف "اللہ اللہ" کا ذکر

ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ:

کچھ صوفی منش بندے صرف "اللہ اللہ" کا ذکر کرتے ہیں کیا اس کا بھی کچھ فائدہ ہوتا ہے یا قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟

الجواب

فائدے کی بات اور ہے، بہرحال رب کا نام زبان پر رہے مبارک شغل تو ہے، لیکن اسے ذکر مسنون نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا — امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو نہیں مانتے!

بعض صوفیاء کی باتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف "اللہ اللہ" کہنے پر صرف اس لیے اصرار کیا تھا کہ اگر اس کے بجائے وہ "لا الہ الا اللہ" کا ورد کریں تو ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں:

لا الہ (کوئی خدا نہیں) کہتے ہوئے دم نکل جائے، اور میں منکر خدا بن جاؤں۔

بعض نے کہا کہ مجھے تو ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو "اللہ غیر اللہ" کہتا ہو جب اور ہے نہیں تو میں نفی کس کی کروں؟

واختار بعض المشائخ من المتاخرين رحمهم الله تعالیٰ "الله الله" نقل من الفتوحات المكية دخلت علی بعض شيوخنا وكان مستهترًا بالذكر وكان ذكره "الله" ولا يزيد عليه شيئاً فقلت يا سيدی لم لا تقول لا اله الا الله فقال يا ولدی الانفاس بيد الله فاخاف ان يقبض روحی عند ما اقول "لا ولا اله" فاقبض فی وحشة النفی وسئلت شيخا اخر عن ذلك فقال ما رأت عينی ولا سمعت اذنی من يقول "الله غير الله" فلما جد من النفی فاقول كما سمعت يقول "الله الله" فاقول (مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری)

یہ باتیں دراصل اس دور کی ہیں جب تصوف فلسفہ بن گیا تھا حالانکہ یہ تزکیہ و طہارت کا ایک خاص مگر سادہ اسلوب کا نام تھا، جس کی بنیاد دیں مسنون اذکار کی اساس پر قائم تھیں۔

بہر حال ہمارے نزدیک متصوفین کی یہ فلسفیانہ تک بندیاں ہیں جو بے روح بھی ہیں اور علم سے عاری بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "لاالٰہ الا اللہ" افضل الذکر سے تعبیر فرمایا ہے (رواہ ابن ماجہ والنسائی عن جابر) اس کے علاوہ بھی "لا الٰہ الا اللہ" کے ذکر کے بڑے فضائل مروی ہیں ان کو ان بزرگوں کے اوہام پر قربان کرنا مناسب نہیں ہے۔

بات "لا" یا "لاالٰہ" کے لفظوں کی نہیں بلکہ اس تہیا اور ایقان کی ہے جو ایک ذاکر کے ورد کا محرک ہوتا ہے۔ مدار کار "نیت" ہے، الفاظ نہیں ہیں "لا" یا "لاالٰہ" پر بھی جان نکل جائے تو خدا کے ہاں وہ وہی کچھ لکھا جائے گا جو اس کے سامنے تھا، یعنی یہ کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا، اگر وہ کہنے نہیں پایا تھا اور دم نکل گیا ہے تو حق تعالیٰ اس کی نیت کو تو دیکھتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ فلاجد من النفی تو یہ بھی ایک تکلف ہے۔ بات یہ نہیں کہ واقعۃً کوئی ہو تو اس کی نفی کی جائے بلکہ یہ ہے کہ بنا بھی لیے گئے ہوں تو بھی ان کی نفی کر دینی چاہیے۔

بعض علماء نے بعض روایات سے بھی صرف "اللہ اللہ" کے ذکر کی نشاندہی فرمائی ہے جن میں آتا ہے کہ جب تک "اللہ اللہ" کہنے والے زمین پر موجود ہیں، قیامت نہیں آئے گی۔

لا تقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض "اللہ اللہ" (مسلم)

مگر علماء نے لکھا ہے کہ:

ھو من باب تسمیۃ الشیء بالحمل علی سبیل الحکایۃ کی قسم کی بات ہے۔ مقصود اس سے "ذکر اللہ" نہیں بلکہ اس کا ماننا ہے۔ اگر ذکر اللہ بھی مراد لی جائے تو اس سے مراد بھی "ذکر مسنون اور ذکر شرعی" ہے۔ یہی بات الا بذکر اللہ تطمئن القلوب سے اخذ کی گئی ہے مگر اس سے بھی مراد "ذکر شرعی" ہے معنوی نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں اس قسم کے جو الفاظ ملتے ہیں ان سے مراد "شرعی مفہوم" ہوتا ہے۔

بہر حال بعد میں بعض ایسے ٹانکے جو محض ذہن کے خیالی تصورات اور موشگافیوں کی بنا پر لگائے گئے ہیں کتاب و سنت کی شرعی اصطلاحات اور مفاہیم کو ان کے پلے میں باندھنے سے پرہیز کیا جانا چاہیے! اور جن بزرگوں نے اس سلسلے میں بعض "جدتیں اور ندرتیں" پیش فرمائی ہیں، پورے احترام کے ساتھ ان کی خدمت میں معذرت کر دینی چاہیے! واللہ اعلم۔

مشرکوں کے بُنے ہوئے کپڑوں کا استعمال

ایک صاحب لکھتے ہیں کہ: بعض کپڑے ایسے ہوتے ہیں جو غیر مسلم لوگ تیار کرتے ہیں۔ اسی طرح ڈرائی کلین کے بارے میں بھی افواہیں گرم ہیں کہ وہاں دھوتے وقت ناپاک چیزوں کی آمیزش بھی ہوجاتی ہے تو کیا وہ پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب

اگر یقینی طور پر کسی کپڑے پر آپ کو پلیدی اور نجاست لگی نظر آتی ہے تو اسے دھو ڈالیے۔ اگر بظاہر صاف ستھرا نظر آتا ہے تو آپ کو کُھوج اور کھوج لگانے کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ آپ اس کے مکلف نہیں ہیں۔ انه صلی فخلع نعلیه فخلع الناس نعالهم فلما انصرف قال لم ــــ خلعتم؟

قالوا یارسول اللہ رأیناك خلعت فخلعنا فقال ان جبرائیل اتانی فاخبرنی ان بهما خبثا فاذا

جاء احدکم المسجد فلیقلب نعلیه ثم لینظر فان رای خبثا فلیمسحه بالارض ثم لیصل فیهما

(رواہ احمد)

لیکن مزید تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام مشرکوں کے بُنے ہوئے کپڑے استعمال فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ کپڑے کو پیشاب میں رنگا گیا ہے تو آپ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا جب حضرت اُبیؓ کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے فرمایا کہ حضورؐ نے پہنے اور آپ کے عہد میں لوگ پہنا کرتے تھے تو آپ کیوں منع کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ نے سچ کہا۔ امام ابن القیم فرماتے ہیں کہ:

ومن ذلك: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یلبس الثیاب التی نسجها المشرکون ویصلی فیها۔

• وتقدم قول عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه وھمه ان ینهی عن ثیاب بلغه انها تصبغ بالبول وقول ابی له مالك ان تنهی عنها فان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لبسها ولبست فی زمانه ولو علم اللہ انها حرام لبینه لرسوله، قال: صدقت (اغاثة اللهفان ص ۱۵۳)

تعاقب بر فتویٰ

لائل پور سے ہمارے ایک فاضل نوجوان تحریر فرماتے ہیں:

عید الاضحیٰ کی رخصتوں سے واپس آیا تو ذوالقعدہ اور ذوالحجہ دونوں شمارے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تبصرہ پر شکر گزار ہوں۔

ذوالحجہ کے شمارہ میں حضرت ابو سعید خدری کی حدیث کے تحت "جابر جعفی" کے متعلق جو آپ نے تحریر فرمایا فدوی کی اس سے تسلی نہیں ہوئی۔ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو قدما ء تلامذہ میں شمار کرنا محل نظر ہے۔ مولانا امیر علی مرحوم سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ کا قول بہر حال مقدم ہے۔ فرماتے ہیں۔ فان احتج محتج بان شعبۃ والثوری رویا عنہ قلنا الثوری والشعبۃ ... الی آخر ... الروایۃ عن الضعفاء" تھذیب ص۴۸

امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اگرچہ جعفی کی توثیق منقول ہے مگر ابن ابی حاتم فرماتے ہیں۔

حدثنا صالح بن احمد ابن حنبل ثنا علی یعنی ابن المدینی قال سمعت یحیی بن سعید یقول سالت سفیان عن حدیث حماد عن ابراھیم فی الرجل یتزوج المجوسیۃ فجعل لایحدثنی به مطلنی به ایاما ثم قال انما حدثنی ابن جابر یعنی الجعفی عن حماد ما ترجو به منه قال ابو محمد (ابن ابی حاتم) کانه لم یرض جابر الجعفی" مقدمۃ الجرح والتعدیل۔

کئی دنوں تک ٹالتے رہنے میں گھپلا ضرور ہے۔ اسی طرح مولانا امیر علی کا "انا اعرف صدقه من کذبه" نقل کرتے ہوئے کہنا "وصلت الینا فی السنن متواترا" یہ سراسر مرحوم کا وہم ہے۔ ترمذی کے مطبوعہ نسخوں میں کہیں یہ عبارت موجود نہیں۔ اس وہم کا اعادہ ان سے التہذیب صفحہ ۱۹ کالم نمبر ۱ میں بھی ہوا ہے یہ قول دراصل "الکلبی" کے متعلق ہے۔ جیسا کہ کتاب العلل مع شرح شفاء الغلل مع التحفۃ ص۳۸۹ جلد ۴ کی طرف مراجعت سے معلوم ہوتا ہے۔ میں ختماً عرض کرتا ہوں کہ ترمذی میں محولہ عبارت، کہیں نہیں نہ تراجم کی کسی کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ اگر آپ اس کی نشاندہی فرما دیں تو شکر گزار ہوں گا۔

اسی طرح محمد بن قرظہ کے متعلق ابن حبان کی توثیق معتبر نہیں۔ مجہول کو ثقہ کہنے میں ان کا تساہل معروف ہے اور آپ اس سے واقف ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں یہ توثیق نقل کرتے ہوئے بھی تقریب ص۴۶۷ میں اسے مجہول کہا ہے حالانکہ عموماً وہ ابن حبان کی توثیق پر مقبول کا لفظ بولتے ہیں۔ جیسا کہ مولانا امیر علی نے التہذیب ص۲۳ کالم ا میں صراحت کی ہے۔

الغرض ابن قرظہ مجہول ہے۔ یہ مختصر گزارشات پیش خدمت ہیں۔ عجلت میں عریضہ ارسال کر رہا ہوں امید ہے اس سلسلہ میں تشفی فرمائیں گے اور دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

الجواب

امام ثوری اور جابر جعفی۔ ہو سکتا ہے کہ جابر جعفی کی نہ ہو محمد بن السائب کلبی کی بات ہو، لیکن مولانا امیر علی

نے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ اگر روایت بالمعنی نہیں ہیں، تو وہ ان سے مختلف ہیں، کلبی کے بارے میں یہ الفاظ ہیں۔

قال لنا الثوری: اتقوا الکلبی فقیل لہ انک تروی عنہ قال انا اعرف صدقہ من کذبہ (کتاب العلل للترمذی ص۲)

صاحب التعقیب نے جعفی کے بارے میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

ان سفیان منع الناس عن الجعفی فقال انک تجوم الیہ و تروی فقال انا اعرف صدقہ من کذبہ (التعقیب ص۲۶)

چونکہ صاحب التعقیب نقل کے درجہ میں مستند ہیں، اس لیے جیسے یہ ممکن ہے کہ وہم ہو ویسے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض نسخوں میں یہ بھی ہو، امام ثوری کو جابر جعفی سے جو خصوصی دلچسپی ہے، اس کے پس منظر میں دیکھا جائے تو جو بات مولانا امیر علی نے نقل کی ہے، ان ہونی بات نہیں رہتی، اس کے علاوہ اصولِ حدیث کا یہ ایک روشن باب ہے کہ:

بعض کمزور راویوں کی روایت بعض اوقات اس لیے محفوظ تصور کر لی جاتی ہے کہ ان سے فلاں مستند راوی نے روایت کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ خود امام ثوری کے مندرجہ بالا قول سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ خاص کر امام ثوری اور امام شعبہ کے بارے میں تو یہ بات اور ہی مشہور ہے۔

حافظ ابن حجر کا قول واقعی مولانا امیر علی سے مقدم ہونا چاہیے لیکن یہاں وہ اس کے منافی نہیں ہے، کیونکہ بات ضعفاء سے ترک روایت کی نہیں ہے، تثبت فی الروایۃ کی ہے، بینہما بون کثیر۔

امام ثوری سے جیسے جعفی کی توثیق مروی ہے، تضعیف بھی مروی ہے، اور ہم بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمیں یقین ہے کہ اس سے امام ثوری کی خصوصی دلچسپی اس لیے نہیں ہو سکتی کہ خاموشی سے بلکہ للکار کر اس کے کذبات کی اشاعت کرتے رہیں۔

ان احتمالات کے باوجود آپ نے مولانا امیر علی کے جس وہم کی طرف توجہ دلائی ہے، اسے بالکلیہ نظر انداز کرنا بھی مشکل ہے، کیونکہ کوئی واقعہ قیاس اور اجتہاد سے ثابت نہیں ہوتا، تاریخی طور پر اس کا ثبوت ہی اصل ہے۔

ابن خزیمہ اور ابن حبان کا تساہل۔ ابن حبان کا جو تساہل معروف ہے وہ محل نظر ہے۔ ان کے تساہل کی اصلیت صرف اتنی ہے کہ وہ حسن کو صحیح کہہ دیتے ہیں، نہ یہ کہ مجہول کو معروف اور کمزور کو ثقہ بنا دیتے ہیں:

قال السیوطی :۔

ویقاربہ ای صحیح الحاکم صحیح ابی حاتم بن حبان قیل ما ذکر من تساھل ابن حبان لیس بصحیح

فان غایتہ انہ یسمی الحسن صحیحا (الرفع والتکمیل لعبد الحی ص۲۱)

قال السخاوی فی فتح المغیث :۔

مع ان شیخنا ای الحافظ ابن حجر قد نازع فی نسبتہ الی التساھل الا من ھذہ الحیثیۃ ای

ادراج الحسن فی الصحیح (ایضا)

باقی رہا مجہول کو ثقہ کہنا ؟ سو یہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ان کی کچھ شروط ہیں ۔

وان کانت باعتبار طفۃ شروطہ فانہ یخرج فی الصحیح ما کان راویہ ثقۃ غیر مدلس سمع

ممن فوقہ وسمع منہ الاخذ منہ ولا یکون ھناک ارسال ولا انقطاع واذا لم یکن فی الراوی

المجھول الحال جرح ولا تعدیل وکان کل من شیخہ والراوی عنہ ثقۃ ولم یات بحدیث منکر فھو ثقۃ

عندہ وفی کتاب الثقات لہ کثیر ممن ھذا حالہ ربما اعترض علیہ فی جعلھم ثقات من لم

یعرف اصطلاحہ ولا اعتراض علیہ (الرفع والتکمیل ص۲۱)

اس سے کم از کم یہ تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ: ابن حبان کے نزدیک ابن قرظہ کی کوئی روایت محض اس کی وجہ سے "منکر" ثابت نہیں ہوئی۔

ناچیز نے جس مقصد کے لیے اسے پیش کیا ہے، اس کا انحصار صرف اس روایت پر نہیں ہے بلکہ دوسرے شواہد بھی سامنے ہیں، جیسا کہ مرقوم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی آپ کو اختلاف ہو جیسا کہ ہمارے اکثر افاضل اور بزرگوں کو ہے۔

مناظر قیامت ۔ قرآن کی زبان میں

تالیف: سید قطب شہید ۔ ترجمہ: محمد نصر اللہ خاں خازن ۔ پیش لفظ: ڈاکٹر سید عبداللہ

یہ کتاب قرآن کے بیان کردہ قیامت اور جنت و دوزخ کے ایک سو پچاس مناظر پر مشتمل عالم آخرت کی حقیقی تصویر پیش کرتی ہے جس میں انسان کے ساتھ پیش آنے والے حالات و واقعات اور اس پر طاری ہونے والی کیفیات کی ایک واقعاتی فلم آنکھوں کے سامنے آتی چلی جاتی ہے۔

تین سو پچاس سے زائد عنوانات پر مشتمل مباحث فہم قرآن اور تعمیر سیرت و اخلاق کا بہترین ذریعہ ہیں۔

کتابت، طباعت آفسٹ، سفید کاغذ، ٹائٹل چار رنگا۔ قیمت: -/۲۰ روپے اور محصول ڈاک علاوہ

مکتبہ ایشیا ۱۰ آر بی۔ شاہ عالم مارکیٹ ۔ لاہور

حجاباتِ نظر

احسان دانش

بتوں سے پھر گیا دل اب ادھر دیکھا نہیں جاتا
درِ مولیٰ پہ ہوں اور سوئے در دیکھا نہیں جاتا

رُخِ خیر البشر پھر رُخِ خیر البشر ٹھہرا
ان آنکھوں سے درِ خیر البشر دیکھا نہیں جاتا

اسی کوچے میں بیٹھا ہوں وہیں سے مر کے اٹھوں گا
گدا بیشک ہوں لیکن اور در دیکھا نہیں جاتا

جو سمٹیں آنسوؤں کی جھالریں سب کچھ نظر آئے
خطا کس کی ہے جو اے چشمِ تر دیکھا نہیں جاتا

کبھی مہتاب کی صورت اُتر آؤ آنگن میں
ستاروں کو مسلسل رات بھر دیکھا نہیں جاتا

جو تو غفلت سے چونکے راہِ حق بھی خود بخود ابھرے
مندی آنکھوں تماشائے سحر دیکھا نہیں جاتا

ہزاروں اہلِ زر اُس آستاں پر سر بزانو ہیں
جہاں انسان کی قیمت سے زر دیکھا نہیں جاتا

دکھا بھی دے عطا کی ہے نظر جس کے لیے مجھ کو
اٹھا بھی دے حجاباتِ نظر دیکھا نہیں جاتا

مسلسل ہو رہی ہے امتِ خیر البشر رُسوا
دعاؤں میں یہ افلاسِ اثر دیکھا نہیں جاتا

نظر کی خیرگی ہے پردہ دارِ عصمتِ جلوہ
کسی سے اپنا مقصودِ نظر دیکھا نہیں جاتا

مرے مولیٰ رہوں کب تک میں ان بے دین لوگوں میں
کہ یہ جبرِ مسلسل عمر بھر دیکھا نہیں جاتا

کھڑا ہوں کب سے محرابِ حرم کے سامنے دانش
نظر رہ رہ کے اٹھتی ہے مگر دیکھا نہیں جاتا

جناب پروفیسر منظور احسن عباسی

سیرتِ فاروقِ اعظمؓ کا ایک باب

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات دعائے خلیل کا ایک مجسمہ بن کر منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئی اسی طرح حضورؐ کی اس دعا نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیکرِ محسوس اختیار کر لیا۔

اللّٰھم اعز الدین بعمر ابن الخطاب ! یعنی بارِ الٰہی عمرؓ بن خطاب کے ذریعہ دین کو برتری عطا فرما (طبقات کبریٰ ابن سعد ج ۳ ص ۲۶۹)

اس وقت ایک ہی نام کے دو اشخاص مکہ معظمہ کے کوچہ و بازار میں چلتے پھرتے نظر آتے تھے لیکن ان دونوں کی فطری صلاحیتیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ ہر چند کہ دونوں کا نام عمر تھا اور قرابتِ صلبی و رحمی کے فرق کے ساتھ دونوں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اب یہ خدا کی شان کہ ایک ابوجہل اور دوسرا فاروقِ اعظم بن گیا۔ حق و باطل کے درمیان صلاحیتِ امتیاز کے لحاظ سے ایک سب سے بڑا جاہل اور دوسرا سب سے بڑا دانا قرار پایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے ایک کے لیے اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور انتخاب خود ذاتِ باری پر چھوڑ دیا اور یہ تمنا کی کہ:

اللھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیک بعمر بن الخطاب او بابی جھل بن الھشام (یعنی خداوندا عمر بن الخطاب اور ابوجہل بن ہشام دونوں میں سے جسے تو پسند فرماتے اس کے ذریعہ اسلام کو برتری عطا فرما) مشیتِ ایزدی نے محبوبِ ربّ العلمین کے لیے دونوں میں سے عمرؓ بن خطاب کا انتخاب فرما کر اپنے حبیب کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضورؐ نے اٹھایا اور قبائے رسالت کا ایک پھول بنا کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ قبیلۂ بنی عدی بن کعب کے اس گل سرسبد کی خوشبو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تا ابد جاری رہنے والی رسالت کی فضاؤں میں پھیلی اور پھیلتی چلی گئی اور آج بھی ہر وہ دماغ جس کی قوتِ شامہ معطل نہ ہو گئی ہو اس کی خوشبو سے معطر ہے۔

یہاں پر یہ تفصیل ضروری نہیں ہے کہ دوسرے عمر کا جسے اللہ تعالیٰ نے رد فرما دیا کیا حشر ہوا صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ایک ناپاک خذف ریزے کی طرح معرکۂ بدر میں غلامانِ سید البشرؐ کے پیروں تلے کچلا گیا اور اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "عمر" کا نام اہلِ عرب میں نہایت مقبول تھا اور غالباً مبارک بھی سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس نام کے کم و بیش ۱۳۵ اشخاص علم و فضل، دیانت و تقویٰ یا شجاعت و بسالت کے پیکر ایسے ہیں جن کے ذکر سے تاریخ اسلام کے اوراق مزین ہیں۔ علامہ محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب الفاروق کے آغاز میں یہ بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس کے ہمنام دنیائے اسلام میں سب سے زیادہ ہیں وہ "عمر" ہیں۔ اللہ کو منظور نہ تھا کہ اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل کو اسی نام سے پکارا جاتا اس لیے اب دنیا میں نہ اس کا نام عمر مشہور ہے اور نہ اس کی کنیت بن ہشام سے لوگ آگاہ ہیں بلکہ ابوجہل کے نام سے اس کا ذکر ہوتا ہے اور عمر کی بجائے اس کا نام ابوجہل اس طرح مشہور ہے جس طرح نجدی مدعی نبوت کا نام رحمانِ یمامہ کی بجائے مسیلمہ کذّاب مشہور ہے۔ اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہ رسالت سے فاروق کا لقب عطا ہوا اور امتِ مسلمہ میں وہ حضرت عمر فاروقؓ کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت عبداللہؓ ابنِ مسعود نے سیرتِ عمرؓ کی پوری تفصیل تین جملوں میں بیان فرمائی ہے کان اسلام عمر فتحًا وھجرتہ نصرًا وامارتہ رحمۃ (منقول از رسالہ الشیخان طہٰ حسین ص ۱۲۹) (یعنی حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا اسلام کی فتح، ان کا ہجرت کرنا دین کی اعانت اور امیر المومنین بننا اللہ کی رحمت تھا) ہم اس مقالہ میں سیرتِ عمر کے ان تین ابواب میں سے صرف ابتدائی دور کا نہایت مختصر ذکر کریں گے جو ان کی سیرت کا باب اوّل ہے۔

حضرت عمرؓ کا پورا نام ابوحفص۔ عمر بن الخطاب بن نفیل عبد العزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن ازاح ہے، ان کی والدہ کا نام خنتمہ بنت ہاشم تھا[۱]

ازواج کے نام یہ ہیں:

---

[۱] زرکلی الاعلام جلد ۵ صفحہ ۲۰۳۔ لیکن طہٰ حسین نے ان کا نام ہشام درج فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابوجہل کی بہن تھی (الشیخان ص ۱۲۷) مطبوعہ دار المعارف مصر۔ ابن اثیر جزری نے ثانی الذکر قول کو ضعیف قرار دیا ہے (اسد الغابہ ج ۴ ص ۵۲)

۱۔ حضرت زینبؓ بنت مظعون۔ حضرت حفصہؓ اور عبداللہؓ کی والدہ۔

۲۔ ام کلثومؓ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی۔

۳۔ ملیکہ بنت جرول۔ یہ مسلمان نہیں ہوئیں اس لیے ۶ ہجری میں طلاق ہوگئی۔ ابن سعد نے ان کا نام بھی ام کلثوم بتایا ہے۔ (طبقات ج ۳ ص ۲۶۵)

۴۔ جمیلہ بنت ثابت جن کا یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا۔ اصل نام عاصیہ تھا۔

۵۔ غالباً ایک اور بیوی بھی تھیں جو مسلمان نہیں ہوئیں اس لیے علیحدگی ہوگئی۔

ان کے علاوہ تین کنیزوں کا بھی ذکر آتا ہے کہ یہ تینوں ام ولد تھیں۔ ان میں سے دو کا نام لُہیہ اور فکیہہ تھا (طبقات وغیرہ)

حضرت عمرؓ کی ولادت واقعہ اصحابِ فیل کے تیرہ سال اور ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ سال بعد ہوئی۔ ان کا شمار قبیلۂ قریش کے چوٹی کے شرفا میں تھا اور اندرونی اور بیرونی حکمت عملیوں اور قبائل کے تصفیہ طلب امور میں ان کو حَکَم اور سفیر بنایا جاتا تھا۔

مورخین نے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ اوائل عمر ہی سے مشکل پسند اور تند مزاج کے مالک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ افتادِ طبع ان کے والد خطاب بن نفیل سے ورثہ میں ملی تھی جو اپنے بیٹے پر بہت سختی کرتے تھے۔ خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میرے سپرد اونٹوں کے چرانے کا کام تھا اگر اس میں ذراسی بھی غفلت ہوتی تو میرے والد بری طرح مجھے پیٹتے تھے تاہم یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت ممدوح کے اعلیٰ کردار میں تمام اخلاق فاضلہ اور محاسن فطریہ کے نمونے موجود ہیں۔

محمد حسین ہیکل کا کہنا ہے کہ پرہیزگاری کا ذکر ہو یا بے لوث معدلت گستری کا، پاکیزہ طینتی کا بیان ہو یا مسائل علمیہ و فقہیہ میں تبحر، ان تمام محاسن کے لیے حضرت عمرؓ کی نظیر پیش کی جا سکتی ہے۔ ان کے علاوہ حضرت میں ایک حوصلہ مند اور جری نوجوانوں کے تمام خصائل موجود تھے۔ وہ قد و قامت، چہرہ مہرہ اور عزم و حوصلہ میں ایک بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ عکاظ کے بازار میں جہاں شہزوری اور پہلوانی کا مظاہرہ آئے دن ہوتا رہتا تھا حضرت عمرؓ کی بارعب شخصیت پہلوانوں کو لرزہ براندام کردیتی تھی۔ کشتی گیری کے علاوہ شہسواری میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کے دونوں کان پکڑ کر ایک ہی جست میں گھوڑے کو دبوچ لیتے تھے۔

علامہ شبلی نے ان کی قوت تقریر و مذاق شعری کا بھی ذکر فرمایا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس عہد میں ان سے زیادہ کوئی شخص سخن فہم نہ تھا، تاہم ان کا فکر سخن اصلاحی تھا۔ انھوں نے شعر میں

علانیہ شریعت عورتوں کا نام لے کر اظہارِ تعشق سے منع فرمایا ہے حالانکہ یہ عربی شاعری کی خصوصیات میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ ان گنے چنے اشخاص میں سے تھے جن کو لکھنا آتا تھا۔ انھوں نے عبرانی زبان میں بھی اچھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ علامہ شبلی نے بحوالہ کنز العمال بتایا ہے کہ وہ جس قدر یہودیوں کی روایات پڑھتے تھے اتنا ہی ان سے متنفر ہوتے جاتے تھے جو ان کی فطری پاکیزگی کی دلیل ہے۔

ہر چند کہ حضرت عمرؓ کی درشت مزاجی کا ذکر تمام مؤرخینِ اسلام و اہلِ سیر نے کیا ہے تاہم بجز ایک واقعہ کے جو انجام کار اسلامِ عمرؓ پر منتج ہوا کوئی قابلِ ذکر واقعہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا۔ علامہ شبلی نے اپنی کتاب سیرت میں حضرت عمرؓ کی تشدد پسندی کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی کنیز لُبینہ کو جو مسلمان ہو گئی تھی بری طرح زدوکوب کیا کرتے تھے یہاں تک کہ تھک جاتے تھے لیکن کنیزوں کی مار پیٹ سے تشدد پسندی کا استدلال درست نہیں کیونکہ ایامِ جاہلیت میں یہ معمولی بات تھی۔ تاہم یہ واقعہ کہ انھوں نے اپنے چچازاد بھائی سعید بن زید کے ساتھ بھی تشدد کیا اور مسلمان ہو جانے کی پاداش میں رسیوں سے باندھا تھا ان کی تند مزاجی کی دلیل میں پیش کیا جا سکتا ہے (سیرۃ النبی جلد ۱) اس کے برعکس ایسے واقعات ان کی کتب سیرت میں مذکور ہیں جن سے ان کی رحم دلی اور نرم مزاجی کا بین ثبوت ملتا ہے۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا کہنا ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت عمرؓ کو غصہ آیا ہو اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو قرآن حکیم کی کوئی آیت سن کر وہ بالکل نرم پڑ جاتے تھے اور سختی کے ارادہ سے باز آ جاتے تھے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں یہ تبدیلی اسلام لانے کے بعد آئی تھی۔

حضرت عمرؓ کی شجاعت اور حوصلہ مندی کا ہر شخص کو اعتراف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر مردِ شجاع رحم دل ہوتا ہے۔ ان کی تشدد پسندی کا وہ واقعہ جو انجام کار ان کے مسلمان ہونے پر منتج ہوا مختلف تفاصیل کے ساتھ سوانح حیاتِ عمرؓ کا ایک لازمی حصہ ہے اور اس مختصر مضمون میں بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ جزری نے اس کا ذکر مختلف راویوں کے الفاظ میں کیا ہے منجملہ ان کے حضرت ابن زیدؓ کے دادا اسلم کی روایت کے بموجب حضرت عمرؓ کا اپنا بیان یہ ہے کہ:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھا سخت گرمی میں ایک روز مکہ میں راستے پر جا رہا تھا کہ ایک قریشی نے (جن کا نام محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب الفاروق میں

نُعَیم بن عبداللہ (فرمایا ہے مدؒ) مجھے پکارا اور جب میں متوجہ ہوا تو انھوں نے کہا" ابنِ خطاب! تم مسلمانوں کے خلاف بہت باتیں بناتے ہو لیکن تمھیں اپنے گھر کی بھی خبر ہے۔ اسلام تو وہاں بھی پہنچ گیا۔ تمھاری بہن گمراہ ہوگئی ہے۔ میں پیچ و تاب کھاتا ہوا اپنی بہن کے گھر پہنچا۔ دستک دی۔ آواز آئی۔ کون ہے؟ میں نے کہا ابن خطاب' وہاں کچھ اور لوگ بھی تھے جو چھپ گئے (بعض راویوں نے ان میں حضرت خبابؓ کا نام لیا ہے) جو ایک تحریر پڑھ رہے تھے۔ میری بہن نے دروازہ کھولا۔ میں نے اس سے کہا اپنی جان کی دشمن! میں نے سنا ہے کہ تم گمراہ ہوگئی ہو۔ ساتھ ہی میرے ہاتھ میں کوئی چیز تھی وہ میں نے اس پر دے ماری، وہ لہولہان ہوگئی اور بری طرح روتے ہوئے اس نے کہا کہ خطاب کے بیٹے! تمھارا جو جی چاہے کر۔ میں تو مسلمان ہو چکی ہوں۔ ہر چند کہ میرا دل ان کی حالت پر پسیجا لیکن غصہ میں بھرا ہوا میں ایک چوکی پر بیٹھ گیا۔ ناگاہ میری نظر اس تحریر پر پڑی۔ میں نے بہن سے کہا کہ وہ اٹھا کر مجھے دے۔ میں دیکھوں اس میں کیا لکھا ہے اس نے کہا کہ تم ناپاک ہو جب تک غسل نہ کرو اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے کیونکہ اسے پاک ہو کر ہی کوئی شخص ہاتھ لگا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا پھر اس نے وہ ورق مجھے دیا میں نے پڑھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لفظ رحیم پڑھ کر مجھ پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی۔ پھر اپنے آپ کو سنبھال کر میں نے دیکھا تو اس میں یہ لکھا تھا سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" بقول راوی عمرؓ کہتے ہیں کہ اس تحریر میں جہاں کہیں اللہ کا نام آتا میں بے خود ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ پر یہی کیفیت ہوئی اور جب اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ پر پہنچا تو میں نے بے اختیار کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اس واقعہ کی دوسری روایات میں بعض جزئیات کی تفصیل ہے۔ علامہ نووی کی منقولہ روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ بہن سعیدؓ بن زید کی بیوی تھیں۔ حضرت سعیدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں (یعنی ان دس اصحاب میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے) اس وقت وہ اور ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں۔ علامہ شبلی نے بحوالہ بلاذری و ابن سعد و ابن عساکر و ابن الاثیر بتایا ہے کہ جس وقت یہ واقعہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم کے مکان میں جو دامنِ کوہ صفا میں واقع ہے تشریف فرما تھے۔ حضرت عمرؓ اسی طرح شمشیر بکف خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ صحابہؓ کو تشویش ہوئی لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا آنے دو۔ اگر بری نیت سے آیا ہے تو اس کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضورؐ نے آگے بڑھ کر عمرؓ کا دامن پکڑ کر کھینچا اور

تحکمانہ انداز میں آنے کا مقصد پوچھا؛ عمرؓ سوال کی ہیبت سے کانپ گئے اور عرض کیا کہ حضور پر ایمان لانے کے لیے آیا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کہا اور تمام صحابہؓ نے بھی نعرۂ اللہ اکبر اس طرح بلند کیا کہ فضا گونج اٹھی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ کا علانیہ اظہارِ اسلام کرنا اور مکہ کے مسلمان مردوں کی قلیل جماعت کا جو اس وقت اہل تحقیق کے نزدیک چالیس پچاس افراد سے زیادہ نہ تھی (جزری) اظہار مسرت کرنا اور اللہ کا نام بلند کرنا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ بعض متاخرین اور عہدِ حاضر کے محققین مثلاً علامہ محمد حسین ہیکل اور طٰہٰ حسین وغیرہ نے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تشدد پسندی اور محض چند آیات کلامِ الٰہی کو سن کر مسلمان ہو جانے پر استعجاب کا اظہار فرمایا اور تنقید کی ہے۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بارے میں اس روایت کو اہمیت دی ہے جس میں حضرت عمرؓ نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

"میں عہد جاہلیت میں شراب کا دھتیا اور اس کا رسیا تھا اور قریشی وارفتہ مزاجوں کی ایک ٹولی میں شامل تھا۔ ایک روز میں نے ارادہ کیا کہ فلاں مے فروش کے پاس جاؤں اور شراب خرید کر پیوں۔ وہاں جا کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ میں نے کہا چلو کعبہ کا طواف ہی کر لوں، وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے کہا دیکھنا چاہیے کہ یہ کیا پڑھتے ہیں؟ اس خیال سے کہ مبادا وہ مجھے دیکھ کر برہم ہوں غلافِ کعبہ کی آڑ لے کر دبے پاؤں ان کے قریب پہنچ گیا۔ حضورؐ قرآن پڑھ رہے تھے جسے سن کر مجھ پر رقت طاری ہو گئی اور اسلام میرے دل میں سما گیا۔ جب حضورؐ نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف جانے لگے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ میری آہٹ پا کر انھوں نے مجھے دیکھا اور خیال فرمایا کہ میں انھیں اذیت پہنچانے کے ارادہ سے ان کا پیچھا کر رہا ہوں۔ انھوں نے سختی کے ساتھ مجھ سے پوچھا کہ اس وقت یہاں تمھارے آنے کا کیا مقصد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر اور کلامِ الٰہی پر ایمان لانے کا اعتراف کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ حضورؐ نے کہا۔ "الحمد للہ" اے عمر! تجھے اللہ نے ہدایت دی پھر میرے سینے پر ہاتھ پھیرا اور ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔"

علامہ ہیکل نے اس روایت کی تطبیق مسند امام احمد کی اس روایت سے فرمائی ہے جس

..ں حضرت عمرؓ کا یہ بیان مروی ہے۔

"میں مسلمان ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے کے ارادہ سے نکلا۔ حضور مسجد میں پہلے سے موجود تھے اور سورۃ الحاقہ پڑھ رہے تھے۔ میں نظمِ قرآن سے بڑا متاثر ہوا اور دل میں کہا کہ واللہ یہ تو شاعر ہیں جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔ اسی وقت آپؐ نے یہ آیت پڑھی "اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ" اب تو میں نے یہ خیال کیا کہ وہ کاہن (ستارہ شناس) ہیں کہ اتنے میں حضورؐ نے پڑھا وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ، تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ۔

(تا سورۃ آخر) یہ آیات سن کر ایمان پورے طور پر میرے دل میں جگہ کر گیا"

بظاہر یہ تمام روایات ایک ہی واقعہ کی مربوط کڑیاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور مسلسل اور متصل واقع ہوئے لہٰذا ان میں توافق و تطابق کچھ مشکل نہیں ہے۔ عجب نہیں کہ دارارقم والی روایت سب سے آخری روایت ہوا ور دین اسلام کی صداقت کا نقش حضرت عمرؓ کے قلب و ذہن پر اس سے پہلے ہی مرتسم ہونے لگا ہو۔

اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ کی جراتِ ایمانی کے مظاہروں کا ذکر ان کے فرزند عبداللہ بن عمرؓ نے جو اس وقت ایک نوعمر لڑکے تھے اس طرح بیان کیا ہے۔

"اگلی صبح کو جمیل بن معمر جمحی کے پاس جا کر حضرت عمرؓ نے بے دھڑک کہا کہ جمیل تمہیں پتہ ہے کہ میں دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل نے انہیں پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے مسجد میں لائے اور سب کو پکار کر کہا کہ اے اہلِ قریش خطاب کا بیٹا گمراہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ شخص جھوٹ کہتا ہے میں تو راہِ راست پر آ گیا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اس پر لوگوں میں ہیجان پیدا ہو گیا اور قریب تھا کہ جنگ و جدل کی نوبت آ جائے لیکن سردست حضرت عاص بن وائل نے بیچ بچاؤ کر دیا اور حضرت عمرؓ کو اپنی حفاظت میں لے لیا"

اس صبح کا بیان ایک اور واقعہ خود حضرت عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ جس روز میں مسلمان ہوا اس روز تمام رات مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کا خیال آتا رہا۔ صبح ہوتے

ہی میں نے ابوجہل کے گھر پر جا کر دستک دی وہ باہر آیا اور کہا کہ مرحبا خوش آمدید! میرے بھانجے! آج کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا کہ یہ بتانے آیا ہوں کہ میں ایک اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو وحی ان پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لایا۔ یہ سنتے ہی اس نے کہا کہ تجھے اور تیری اس حرکت کو خدا غارت کرے اور دروازہ بند کر لیا۔

تمام مورخین و سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا ایک طرف تو اسلامی عروج کا فتح الباب تھا اور دوسری جانب قریش اور دوسرے اہلِ مکہ کی عداوت اور عناد کا امر غالب ہو گیا۔ قریش کی مسلمانوں کو ایذا دہی جو اس وقت تک انفرادی حیثیت کی تھی حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد ایک منظم شکل اختیار کر گئی۔ انتہائی الم ناک اور سفاکانہ تعذیب کے ابتدائی چند مردوں میں حضرت خباب بن الارت، حضرت بلال، حضرت یاسر، حضرت صہیب، حضرت ابوفکیہہ، حضرت عثمان، حضرت ابوذر، حضرت زبیر بن العوام، سعید بن زید۔ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم تھے۔ جن کی ماں حضرت سمیہ کو ابوجہل نے مسلمان ہونے کی پاداش میں نیزہ مار کر ہلاک کر دیا اور ان کے باپ یاسر کو کافروں نے شہید کر دیا۔ عورتوں میں حضرت سمیہ کے علاوہ لبینہ، زنیرہ، نہدیہ اور ام عبیس پر بھی انتہائی مظالم ڈھائے گئے۔ یہاں تک کہ متعدد مسلمان جن میں مرد اور عورتیں شامل تھیں وطنِ عزیز کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو کر مکہ سے حبشہ چلے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ خاندان کو جس میں عورتیں اور بچے شامل تھے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں جو شعب ابوطالب کے نام سے مشہور ہے محصور کر دیا گیا۔ اور اشیاء خورد و نوش بند کر دی گئیں۔ یہ مقاطعہ قریش نے منظم طور پر ایک معاہدہ کے تحت جس کو لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا تھا عمل میں آیا۔ خاندانِ نبوت تین سال تک بے کسی اور فقر و فاقہ کی ایک ایسی اذیت میں مبتلا رہا جس کی نظیر تاریخ جبر و تعذیب میں نہ اس سے پہلے سنی گئی اور نہ اس کے بعد پیش آئی۔ محصورین کے علاوہ جو مسلمان باہر تھے بشمول حمزہؓ و عمرؓ ان کو بھی چند در چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن مسلمانوں کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی۔ تین سال کے بعد جبکہ معاہدہ کی تحریر کرم خوردہ ہو گئی اور کچھ رحمدل حضرات سے جو اگرچہ مسلمان نہ تھے محصورین اور ان کے بچوں کی گریہ زاری نہ دیکھی گئی تو انھوں نے اس معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اس عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد روز افزوں ہوتی گئی اور اسلام کی ترقی کے ساتھ دشمنانِ اسلام کی مخالفت بھی بڑھتی رہی۔ دورِ نبوی کا ایک سال ایسا آیا کہ مخالفین کی اذیت کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کر چچا اور بیوی کی وفات کا غم دیکھنا پڑا۔ اس سال کو خود حضورؐ نے عام الحزن قرار دیا ہے دونوں سہاروں میں سے ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ سے محرومی نے دل برداشتہ کر دیا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے کشائش کی آرزو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مکہ سے ہجرت کا حکم آیا اور مناسب تہیۂ اسباب کے ساتھ آپؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر عازم مدینہ ہو گئے۔ یہی وہ رات تھی جس میں تمام قبائل قریش نے مل کر بیک وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کا عزم کیا تھا۔ حضورؐ نے شام کے جھٹ پٹے میں حضرت علیؓ کو طلب فرما کر ان تمام اشخاص کی امانتیں ان کے سپرد فرما کر واپس کر دینے کی ہدایت فرمائی پھر انھیں اپنے بستر پر سو جانے کا حکم دیا اور اعدائے دین کی نظر بچا کر گھر سے نکل آئے اور حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں سب سے پہلے غارِ ثور میں پناہ لی اور دو تین دن کے بعد مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی ہجرت کا عزم کیا۔ حضرت علیؓ نے ان کے عزمِ سفر کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے وہ حضرت عمرؓ کی جرأت و بسالت کا ناقابلِ یقین حد تک حیرت انگیز ثبوت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار، نیزے اور تیر کمان سے مسلح ہو کر کعبہ کی طرف آئے، اطمینان کے ساتھ کعبہ کا طواف کیا اور مخالفین کی مختلف ٹولیاں جو وہاں موجود تھیں ہر ایک کے سامنے درّانہ آ کر کھڑے ہوئے اور بہ آوازِ بلند کہا کہ خدا ان اعدائے دین کو ضرور غارت کرے گا۔ پھر للکار کر کہا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی ماں بے اولاد، اس کی اولاد یتیم اور بیوی بیوہ ہو جائے وہ اس وادی سے باہر نکل کر مجھ سے نپٹ لے (محمد حسین ہیکل الفاروق ج ۱ ص۵۵) دوسری طرف خود حضرت عمرؓ کا بیان یہ ہے کہ میں عیاش ابن ربیعہ، ہشام ابن العاص اور ابن وائل چھپ کر روانہ ہوئے تھے لیکن عیاش بعد میں اپنی ماں کے کہنے پر راستے سے واپس آ گئے جنھیں بعد میں ناقابلِ بیان آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ بنابریں ہشام اور ابنِ [illegible] نے پہلی روایت کی صحت سے انکار کیا ہے لیکن راقم الحروف کے نزدیک ان دونوں روایتوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے محض دھمکی دی ہو اور لوگ ان سے خائف ہو کر مزاحم نہ ہوئے ہوں لیکن ہجرت دوسرے مہاجرین کی طرح چھپ کر کی ہو۔ لہٰذا یہ امر واقعہ روایتِ اولیٰ کی تائید کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس اصحاب کے ساتھ ہجرت کی۔ ان اصحاب کی تفصیل مولانا محمد یوسف صاحب سنت پوری نے بحوالہ ابن ہشام اپنی کتاب "فضائل الشیخین" میں درج فرمائی ہے (ص۲۲) یہ تھا سوانح حضرت عمرؓ کے تین ابواب میں سے صرف پہلے باب کا مختصر بیان۔ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور عہد خلافت کا بیان فرصت حیات و توفیق الٰہی پر موقوف ہے۔

محترم جناب پروفیسر محمد سلیمان اظہر ایم اے

انیسویں صدی کی واحد سیاسی جماعت

(مضمون نگار پروفیسر موصوف باذوق اہل علم، محقق، تاریخ اور سیر رجال پر عالمانہ نظر رکھنے والے ایک فاضل نوجوان ہیں، انھوں نے اپنے مضمون "انیسویں صدی کی واحد سیاسی جماعت" کی نشاندہی کرتے ہوئے جو نکات پیش کیے ہیں، قابلِ داد اور نہایت محققانہ ہیں، اس میں بعض پہلو ایسے بھی ابھر آئے ہیں جن سے غیر جانبدار مؤرخ سے زیادہ ایک مخصوص زاویۂ نگاہ کا رنگ جھلکتا ہے، تو یہ دراصل ایک نوجوان قلم کی قدرتی جنبش کا نتیجہ ہے)

آل انڈیا کانگریس ۱۸۸۵ء میں عالم وجود میں آئی۔ اس کا بانی ایک انگریز تھا۔ اس کا مقصد آزادی نہیں انگریزوں سے ہندوستانیوں کے اچھے تعلقات قائم کرنا تھا۔ بڑی دیر کے بعد یہ ایک سیاسی جماعت کی صورت میں نمودار ہوئی لیکن اس سیاست کا مقصد استخلاصِ وطن از بیگانگاں لبعید لوطن نہیں تھا بلکہ حاکموں کے ہاتھ مضبوط کرتے ہوئے ان کے اقتدار کے دائرے میں ہندوستانیوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مراعات کا حصول تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز کے بعد اس کی سیاست کا مقصد استخلاصِ وطن قرار دیا گیا لیکن اس میں مسلمانوں کی غلامی کا تصور بھی شامل تھا۔

۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ وجود میں آئی لیکن ابتداءً اس کا مقصد بھی استخلاصِ وطن اور مسلمانوں کی آزادی نہ تھا بلکہ کانگریس کو ایک ہندو جماعت تصور کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے مراعات طلبی کا ایک پلیٹ فارم بنایا گیا تھا جبکہ انگریزوں کے اقتدار کو چیلنج کرنا ان کے عزائم میں شامل نہ تھا۔ یہ بات بیسویں صدی کے دوسرے بلکہ تیسرے عشرے میں سنائی دینے لگی کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی آزادی چاہتی ہے اگرچہ باضابطہ اعلان ۱۹۴۰ء میں جاکر ہوا۔

جمعیۃ علمائے ہند، مجلسِ احرار، خاکسار، جمعیۃ علمائے اسلام اور دوسری ہندو تنظیمیں۔ ان دونوں بڑی تنظیموں کے بہت دیر بعد عالمِ وجود میں آئیں۔

اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ کم از کم ۱۹۱۰ء تک برِصغیر میں ان معروف تنظیموں کی طرف سے نہ

تو آزادی وطن کا نعرہ بلند ہوا تھا اور نہ ہی مسلمانوں کی آزادی کا۔

محمڈن لٹریری سوسائٹی جس کے سیکرٹری خان بہادر عبداللطیف تھے انیسویں صدی میں بنائی گئی تھی لیکن اس کا مقصد انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینا اس کے پروپیگنڈے کی بنیاد تھا۔

سرسید احمد خاں نے بھی کام کیا۔ وہ کام قابلِ قدر بھی ہے۔ اس میں دو قومی نظریے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اگرچہ آزادی کا نام ہنوز زبانوں پر نہیں آیا تھا۔ تاہم انھوں نے تعلیم کے ذریعے سیاسی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہم سرسید کی مساعی جمیلہ کا اعتراف کرتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ تا عمر انگریزوں کے وفادار رہے۔

دیوبند اور مظاہر العلوم کے مدارس ۱۸۶۶ء میں بنے۔ ابتداءً نہ تو ان مدارس کو کوئی نمایاں حیثیت حاصل تھی نہ ہی یہ کسی تنظیم کے مدارس تھے۔ طلبا کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ ان کے اساتذہ و بانیان کے عزائم استخلاصِ وطن ابتداء ہرگز نہ تھے بلکہ ان کی اکثریت انگریز کے سابقہ و حالیہ ملازمین کی تھی۔ جنھیں بقول میاں محمد شفیع ان دنوں کالے پادری سمجھا جاتا تھا (دیکھئے ۱۸۵۷ء از میاں محمد شفیع) نیز بانیان و اکابرین دیوبند کے دامن میں شاملی کے اس مفروضہ جہاد کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ جس کی حقیقت "اہل حدیث اور سیاست" کے مصنف مولانا نذیر احمد رحمانی نے اچھی طرح واضح کر دی ہے۔ بریلویوں کے مجدد و بانی شاہ احمد رضا خان ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً ان کا کوئی سیاسی موقف نہ تھا۔ بعد میں وہ انگریزی مفادات کے پشت پناہ بنے۔ اور ۱۲۹۸ھ میں انھیں انگریز کا مقبوضہ ہندوستان دارالاسلام نظر آ رہا تھا۔ جب مسلم لیگ نے آزادئ وطن کی تحریک شروع کی تو اس کی سب سے زیادہ مخالفت مولانا احمد رضا خاں کے پیروکاروں نے کی۔ تفصیل کے لیے "البوابات السنیہ علی زمعاء سوالات اللیگیہ" دیکھئے جس میں علمائے احناف کے ایسے فتوے درج ہیں جن کے ذریعے مسلم لیگ سے تعاون و اشتراک نا جائز کہا گیا ہے۔ اس جماعت کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹۴۶ء کے بعد بنارس میں ان کی کانفرنس میں مسلم لیگ کی حمایت اور آزادئ وطن کی تحریک میں شمولیت کا اعلان کیا گیا۔

مجلس احرار، خاکسار اور جمعیۃ علمائے ہند وغیرہ تنظیمیں ۱۹۳۰ء کے گرد و پیش وجود میں آئیں۔

ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کیا انگریزوں کے قبضہ سے لے کر کم از کم ۱۹۱۰ء تک کوئی ایسی تنظیم اس ہندوستان میں موجود نہیں تھی جس کا مقصد انگریزوں کا اخراج اور اسلامی سلطنت کا قیام بھی ہو

اور وہ اس کے لیے عملی جد وجہد بھی کر رہی ہو۔

سطور بالا میں ہم معروف سیاسی تنظیموں کی تاریخ تشکیل اور ان کے عزائم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم پوچھتے ہیں، سنہ ۱۹۱۰ء تک کس تنظیم کو آزادی دین و وطن کا علمبردار کہا جا سکتا ہے۔

یہ کوئی معمولی سوال نہیں ہے۔ پوری پون صدی کی تاریخ اس سوال سے وابستہ ہے، بتائیں آج کے مسلم لیگی کہ وہ انیسویں صدی کے آغاز سے بیسویں صدی کے آغاز تک کیا کر رہے تھے؟

بتائیں آج کے کانگریسی کہ وہ انیسویں صدی کے آغاز سے بیسویں صدی کے آغاز تک کیا کر رہے تھے؟

بتائیں آج کے خاکسار کہ وہ انیسویں صدی کے آغاز سے بیسویں صدی کی چوتھائی تک کہاں تھے؟

ہمارے احرار فرمائیں کہ اس عرصہ میں وہ کہاں محو خواب تھے؟

ہمارے دیوبندی بزرگ ارشاد فرمائیں کہ سنہ ۱۸۳۱ء سے لے کر تحریک ریشمی رومال تک آزادی وطن کے لیے انھوں نے کیا کیا ہے؟

اور علمائے بریلی فرمائیں کہ سنہ ۱۹۲۰ء تک ان کی کون سی تنظیم حصولِ آزادی کی خاطر مصروف کار تھی؟

قارئین کرام! اب آپ ہی فرمائیں کہ جن دنوں آزادی کی تحریک کے بزعم خود یہ تمام علمبردار حجروں اور خانقاہوں میں محو خواب تھے یا انگریزی اقتدار کے لیے مضبوطی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ کیا انگریز یہاں اطمینان سے حکومت کر رہا تھا؟ اگر آپ کے پاس ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" ہو اور ہندوستان سے متعلق انگریز افسروں اور جرنیلوں کی دیگر کتب دربارہ ہندوستان موجود ہوں تو آپ کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ آپ کہیں گے کہ جب تک یہ دعویدار میدان میں نہیں آئے تھے انگریز ایک لمحے کے لیے بھی اطمینان کی نیند نہیں سو سکا۔ اسے ہر آن بنگال و بہار، روہیل کھنڈ میں شورش پسندوں کے پشت پناہوں کی تلاش رہی۔ اسے ہر آن سرحد یاغستان میں مجاہدین کے خلاف لڑنے والی انگریز سپاہ کے نقصان جان و مال کی خبریں پریشان رکھتیں۔ کیا یہ وہی لوگ تو نہیں ہیں جن سے کالا پانی آباد تھا؟ کیا یہ وہی لوگ تو نہیں ہیں جن کے کیمپ ستھانہ، اسمست، چمرقند اور بالاکوٹ میں تھے؟ کیا یہ وہی لوگ تو نہیں ہیں جن کی جائیدادیں ضبط ہو رہی تھیں؟ کیا یہ وہی لوگ تو نہیں ہیں جن کے ہاتھوں میں جرمِ حصولِ آزادی کی خاطر کیل ٹھونکے جا رہے تھے؟ کیا یہ وہی لوگ تو نہیں ہیں جن کی پیشانیاں داغی جا رہی تھیں۔ کیا یہ وہی منصوروں کا قبیلہ تو نہیں ہے جو سر دار پھانسی کو شہادت سمجھ کر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے؟ قارئین! کیا یہ وہی لوگ تو نہیں ہیں جنھیں انگریز اور ان کے حاشیہ نشین وہابی

کہہ کر باغیوں میں شمار کر رہے تھے؟ قارئین کیا یہ وہی لوگ تو نہیں ہیں جنھیں اس وقت کے حاشیہ برداران سلطنتِ انگلشیہ آج انگریزوں کا ایجنٹ کہنے پر مصر ہیں؟

کوئی بتائے اس طویل دور میں ان لوگوں کے علاوہ کوئی دوسرا بھی آزادی اور مسلم مملکت کا نام لیتا تھا۔ کوئی دیگر تنظیم ان مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں تھی۔ تاریخ پر کس قدر ظلم ہے کہ اس طویل دور میں موجود واحد سیاسی اور مجاہدانہ جماعت کے متعلق آج یہ کہا جاتا ہے کہ نہ تو اس کا تحریکِ آزادی میں کوئی حصہ ہے اور نہ انھیں سیاست سے کوئی سروکار تھا۔ خدارا بتاؤ کہ اگر یہ لوگ اس وقت میدانِ سیاست میں تھے تو کیا وہ تنظیمیں سیاسی تھیں جو ابھی "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا" کے زمرے میں تھیں ـــ اور جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے برصغیر میں ان کی تجدید و احیاء سراسر وہابیوں کا کارنامہ ہے۔

ابوالکلام آزاد کا تذکرہ پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عہد مغلیہ تک کے مسلم ہند میں علوم اسلامیہ کی بے چارگی کی کیا کیفیت تھی۔ بطور مثال ہم آپ کے سامنے ایک مناظرے کی روئیداد پیش کرتے ہیں جو اپنے عہد کے سب سے بڑے صوفی اور سب سے بڑے فقیہ کے مابین بادشاہِ وقت کی موجودگی میں ہوا۔ سنیے!

"چنانچہ پنجاہ و سہ دانش مند کہ ہر یک خود را سرآمد روزگار می دانستند و ہمہ در مسئلہ سماع و سرود با شیخ نظام الدین اولیاء منازعت داشتند جہت بحث حاضر شدند۔ مولانا فخر الدین رازی کہ از مریدانِ شیخ بود و دم از اجتہاد می زد بپادشاہ گفت، دو کس را کہ از ہمہ عالم تر باشند ازیں جماعت انتخاب کردہ تا با ما بحث کنند۔ الغرض بادشاہ قاضی رکن الدین ابوالحی را کہ حاکم شہر بود بعداوتِ شیخ تفاخر داشت بہ بحث اشارت کرد۔ گفت اے شیخ در بابتِ سرود و سماع چہ حجت داری۔ شیخ بحدیث نبوی السماع لاہلہ متمسک گشت۔ قاضی گفت ترا با حدیث چہ کار۔ تو مرد مقلدی روایتے از ابوحنیفہ بیار رہبر من قبول افتد۔ شیخ گفت سبحان! من حدیث صحیح مصطفوی نقل مے کنم و تو از من روایتِ ابوحنیفہ می خواہی۔ شنائد کہ ترا رعونتِ حکومت برس میدارد۔ ان شاء اللہ زود ازیں عہدہ معزول شوی کہ زیادہ با دوستانِ خدا بے ادبی مے کنی۔ و بادشاہ چوں حدیث پیغمبر شنید متفکر شدہ ہیچ نہ گفت" (گلشن براہیمی المعروف تاریخ فرشتہ از منشی محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۷ مطبوعہ نولکشور ۱۲۸۱ھ)

اس مناظرے سے آپ علماء و صوفیا کے مبلغ علم کے متعلق اندازہ فرما سکتے ہیں کہ ایک تو امام غزالی کے مقولے کو صحیح حدیث کے طور پر پیش اور قبول کیا گیا ہے جو علمِ حدیث سے تہی دستی کا ثبوت ہے۔

اور پھر مزعومہ حدیثِ پیغمبرؐ کے بالمقابل قولِ امام طلب کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے قرآن و حدیث کی نقد و رہبر خدمت کی۔ لیکن ان کا دائرہ اثر بہت محدود تھا۔ پھر ان کے کام کی اشاعت جس سے لوگ وسیع پیمانے پر مستفید ہو سکیں نہ ان کے دور میں ہو سکی، نہ ان کے بیٹوں کے دور میں۔ جو کچھ انھوں نے حلقہ خواص میں کیا تھا اگرچہ وہ بھی محدود تھا تاہم اسے بھی منظرِ عام پر لانے کی سعادت مجاہدین ہی کو حاصل ہوئی۔ جیسا کہ تذکرہ صادقہ میں لکھا ہے کہ اس خاندان کے تراجمِ قرآن سب سے پہلے مولانا ولایت علی نے شائع کروائے تھے اور حجۃ اللہ سب سے پہلے ریاست بھوپال کی جانب سے طبع ہوئی۔ شاہ عبد العزیزؒ کے دور تک یہ حالت تھی کہ ان کے حلقہ درس میں بخاری شریف کے صرف دو نسخے تھے اور اگر کبھی شاہ صاحب کو فتح الباری دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو شاہی قلعہ کے کتب خانہ میں جانا پڑتا اور مجاہدین کے ایک فرد نواب صدیق حسن خاں (جن کی معزولی کا ایک سبب، جماعت مجاہدین کی اعانت تھا) نے یہی فتح الباری طبع کروا کے مفت تقسیم فرما دی تھی۔

کہاں یہ حالت تھی کہ ہدایہ پڑھانے والے کے گھر پر جھنڈا لہراتا تھا اور کہاں بقول سید نذیر حسین محدثؒ کہ میں نے اسی ہدایہ کو کریا ما مقیماں بنا دیا ہے۔

اسی تحریک کے آدمیوں نے یا ان کے متعلقین نے قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر لکھ کر شائع کرنے شروع کیے۔ انھیں لوگوں نے اول اول شروح حدیث لکھیں (اور پھر ان کی دیکھا دیکھی علمائے احناف اس میدان میں آئے) انہی لوگوں نے سب سے پہلے کتبِ حدیث کے اردو تراجم کیے اور عوام تک ارشاداتِ پیغمبرؐ کو پہنچایا۔

یہ لوگ یعنی تحریکِ مجاہدین سے وابستہ افراد کم و بیش سب کے سب اہلِ حدیث تھے۔ (احناف ابتدا میں ساتھ ملے، لیکن پھر جہاد کو بھاری پتھر سمجھ کر پیچھے ہٹ گئے تھے)

معاندین نے یہ تاثر دینا چاہا کہ فقہ پر مقلدین کی اجارہ داری ہے اور اہلحدیث نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کیا۔ لیکن جیسا وقیع کام اہلِ حدیث نے فقہ کے میدان میں کیا خود احناف بھی نہ کر سکے۔ مثلاً فتاویٰ عالمگیری و ہدایہ کا اردو ترجمہ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی نے کیا جو حضرت شیخ الکلؒ کے تلمیذ تھے۔ آپ کے دوسرے تلامذہ نے بھی ہدایہ پر کافی کام کیا۔ خود سید نذیر حسینؒ کو فتاویٰ عالمگیری جیسی ضخیم کتاب حفظ تھی۔ کسی دیوبندی یا بریلوی کو ان کی یہ اپنی کتاب کبھی حفظ ہوئی ہے؟ اور ہدایہ کے متعلق آپ نے مکہ میں تمام علماء کو چیلنج کیا تھا کہ ہدایہ کو سمجھنے اور سمجھانے کا مقابلہ کر دیکھو۔ تمام علماء بشمول حاجی امداد اللہ، و مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی اس چیلنج پر خاموش ہو کر رہ گئے۔

حافظ قاری فیوض الرحمن، گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد

مولانا قاضی عبدالاحد خانپوری

۱۲۶۸ ـــــــــ ۱۳۴۷ھ

۱۸۵۲ ـــــــــ ۱۹۲۸ء

آپ ۴ ر جمادی الاخری ۱۲۶۸ھ ۴ ر اپریل ۱۸۵۲ء کو مولانا قاضی محمد حسن خانپوری ہزاروی کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی و متوسط تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مولانا سید عبداللہ غزنویؒ سے امرتسر میں استفادہ کیا۔

درسِ حدیث کی تکمیل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے کی[1]۔

علمِ طب کی تحصیل حکیم نورالدین بھیروی سے کی جب کہ وہ جموں اور کشمیر میں رہتے تھے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ خانپور میں تدریس کرتے رہے، ازاں بعد راولپنڈی محلہ تالاب پختہ میں اپنا مکان بنایا اور وہیں مطب کے ساتھ تدریس کرتے رہے۔ مرزائیوں کے ساتھ کئی کامیاب مناظرے کیے، مرزائیوں کے لٹریچر میں مرزا غلام احمد قادیانی کے اشد مخالفین میں ایک نام آپ کا بھی آیا ہے[2]۔

۱۹۰۸ - ۱۹۱۸ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔

زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری۔

۱۵ ر جمادی الاخرہ ۱۳۴۷ھ / ۸ ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو راولپنڈی میں انتقال ہوا، اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے چھوٹے بھائی قاضی یوسف حسین صاحب نے تاریخ وصال لکھی۔

سنو صابر یہ کیا نغمے ہیں غُل ہیں ۔۔۔ عنادل چہچہاتی شاخ گُل میں

لگی ہے بھیڑ کیا جنت کے پل میں ۔۔۔ ہوا شور و فغاں بانگِ دہل میں

کہ سالِ وصل بحر الہند بولو ۔۔۔ گیا عبدالاحد باغ و نزُل میں

۱۳۴۷ھ

---

[1] فضل حسین مظفر پوری بہاری! الحیاۃ بعد المماۃ، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۵۳

[2] مولانا فیض احمد: مہر منیر؛ لاہور ۱۹۷۳ء بار اول صفحہ ۲۳۸، صفحہ ۲۵۶

آپ کے علمی مقام کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

"الشیخ العالم الصالح عبد الاحد بن القاضی محمد حسن الخانپوری، احد العلماء البارعین فی الفقہ والحدیث، ولد عشاء لیلۃ الاثنین لاربع عشرۃ خلون من جمادی الاخرۃ سنۃ ثمان وستین ومائتین والف، ونشاء فی مھد العلم وقرء علی ابیہ، ثم اخذ الحدیث عن السید نذیر حسین الدھلوی المحدث، وصحب الشیخ الکبیر عبد اللہ الغزنوی واستفاد منہ ـــــــ" [1]

آپ علمائے اہل حدیث میں سے تھے۔

تصنیفی خدمات:

۱۔ البیان والاغاثۃ: صفحات ۳۶، یہ کتابچہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے اشتہار کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

۲۔ اقامۃ البرھان علی بطلان التبیان! البیان والاغاثۃ کا جواب حضرت پیر صاحبؒ نے "التبیان" میں دیا۔ یہ کتاب اس جواب کا جواب ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ بڑے سائز کے ۱۹۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، شریف پریس راولپنڈی میں ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء کو شائع ہوا۔ دوسرا حصہ صفحہ ۱۹۱ تا ۴۰۰ تک ہے۔ اس کا نام "ازالۃ اللبس والاشتباہ عن حقیقۃ مذھب پیر مہر شاہ" ہے۔

۳۔ صمصام الموحدین! یہ بھی حضرت پیر صاحبؒ کے متعلق ہے، بڑے سائز کے ۲۳۸ صفحات پر مشتمل ہے، مطبوعہ شانتی شین ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء۔

۴۔ التحقیقات الحقہ۔ صفحات ۱۶، مطبوعہ شوکت اسلام بنگلور۔

۵۔ استفتاء مسائل عشرہ۔ صفحات ۲۰، مطبوعہ ۸ رجون ۱۹۱۵ء

۶۔ سوط اللہ العزیز الحکیم البادی علی متن الحافظ عبدالکریم الاری مطبوعہ آفتاب برقی پریس امرتسر ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء، بڑے سائز کے ۱۶۸ صفحات

۷۔ صمصام العاتیہ علی عباد الجبت والطاغیہ۔ صفحات، اسی پیر سے متعلق ہے۔

[1] علامہ حکیم عبدالحی لکھنوی: نزھۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء، ج ۸ ص ۲۱۱

۸۔ السیف المسلول فی نحر شاتم الرسول! ۴۴ صفحات، بڑا سائز، غلام احمد قادیانی کے رد میں۔

۹۔ اظہار مخادعۃ مسیلمہ قادیانی! یہ کتاب مرزا غلام احمد قادیانی کے اشتہار موسومہ "الصلح خیر" مطبوعہ ۵ مارچ ۱۹۰۱ء کے جواب میں لکھی گئی، بڑے سائز کے ۲۲ صفحات۔

۱۰۔ اغاثۃ الملہوف المسجون فی مصائد القادیانی المجنون! در جواب رسالہ عجب خان مرزائی تحصیلدار ساکن زیدہ، مطبوعہ ماہ رجب ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء، صفحات ۸۰

۱۱۔ انتصار الصدیق من الملحد الزندیق! صفحات ۱۶۔

۱۲۔ سنان الموحدین لدوغ مطاعن الملحدین! انجمن خدام اسلام جموں و کشمیر کی طرف سے شائع کی گئی، صفحات ۴۳، مطبوعہ سٹیم پریس لاہور۔

۱۳۔ المنقض المتین علی کلام المبین! مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے رسالہ "الکلام المبین" کے جواب میں لکھی گئی، صفحات ۸۰، مطبع صدیقی، لاہور۔

۱۴۔ القول الفاصل الفارق بین الکاذب، فی دعوی اهل الحدیث والصادق! بڑا سائز، صفحات ۴۸، مطبوعہ ساڈھورا ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء۔

۱۵۔ کتاب التوحید والسنۃ فی رد اهل الالحاد والبدعۃ! صفحات ۴۸۰، مطبوعہ سرحد برقی پریس پنڈی ۔ ۲۵ / مارچ ۱۹۱۹ء۔

۱۶۔ الفیصلۃ الحجازیۃ السلطانیۃ، صفحات ۲۹، سلطان ابن سعود سے مکالمہ۔

۱۷۔ النقوس المصطفویۃ علی دؤس الجهوریۃ ــــ قلمی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی

چند اہم تصنیفات

تاریخ دعوت عزیمت اول، دوم، سوم کامل سیٹ	-/۴۲ روپے	نقوش اقبال	-/۱۵ روپے
پرانے چراغ	-/۲۴ "	اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش	-/۱۶ "
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر	-/۲۰ "	مغرب سے صاف صاف باتیں	-/۱۰ "
کاروان مدینہ	-/۱۲ "	منصب نبوت	-/۱۴ "

آج ہی منگوائیں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد ۴، کراچی ۱۸

تعارف و تبصرہ کتب

فقہائے ہند جلد دوم
مؤلف محمد اسحاق بھٹی
ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور
صفحات ۴۶۴
قیمت ساڑھے گیارہ روپے

جناب محمد اسحاق بھٹی صاحب کی زیرِ نظر تالیف کے حصہ اول پر 'محدث' میں تبصرہ شائع ہو چکا ہے۔ زیرِ نظر جلد دوم نویں صدی ہجری کے ایک سو پانچ فقہاء کے حالات پر مشتمل ہے۔ آغاز میں جناب مؤلف نے اسّی صفحات کا طویل اور معلومات انگیز مقدمہ لکھا ہے۔

نویں صدی ہجری میں برصغیر میں طوائف الملوکی کا دور رہا جس میں یکے بعد دیگرے کئی حکمران آئے اور اپنی مدتِ حکمرانی گزار کر یادگارِ ماضی بن گئے۔ خود مختار ریاستوں نے جنم لیا اور انھوں نے علم و ادب کی سرپرستی بھی کی۔ شرقی سلاطین، سلاطین گجرات، سلاطین بہمنیہ اور دہلی کی مرکزی سلطنت کا جامع جائزہ لیا گیا۔ حکومتوں کے ساتھ علماء کے تعلقات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ علماء کس انداز سے حکومتوں پر اثر انداز ہوئے یا خود ان کے سانچوں میں ڈھل گئے۔

جناب بھٹی صاحب نے تقریباً تمام معروف تذکروں سے معلومات کو سلیقہ سے یکجا کر دیا ہے، ان کے حسنِ انتخاب و ترتیب کی داد دینی پڑتی ہے۔ یہ تذکرہ اہلِ ہمت کے لیے ایک لحاظ سے تلاش و جستجو کی دعوت ہے کہ ایک سو پانچ فقہاء میں سے سرزمینِ پاکستان سے تعلق رکھنے والے صرف سات ہیں۔ ان میں سے پانچ کا تعلق (ملتان و اوچ) پنجاب سے ہے اور دو سندھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے کسی فقیہ کا ذکر نہیں۔

تاریخی اسباب کی بنیاد پر یہ درست ہے کہ ان علاقوں میں علم و ادب کی ویسی بہار نہیں رہی جیسی دہلی اور اس کے گرد و نواح میں تھی۔ تاہم ایک پوری صدی میں پنجاب جیسے مردم خیز خطہ میں

صرف پانچ افراد ہی نے جنم لیا؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ درحقیقت پنجاب کے علماء کا کوئی تذکرہ مرتب نہیں کیا گیا اور علمائے پنجاب میں سے مفتی غلام سرور لاہوری اور فقیر محمد جہلمی کے سوا کوئی ایسا عالم نظر نہیں آتا جس نے اس کام کو چنداں اہمیت دی ہو۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان بھر کے نجی کتب خانوں کا جائزہ لیا جائے۔ ان میں موجود مخطوطات کھنگالے جائیں اور ایسے گمنام علماء کو منظرِ عام پر لایا جائے جن کے کارنامے کیڑوں کی غذا بن رہے ہیں۔ محدود سی معلومات کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پنجاب میں علماء و فضلاء کا کچھ سرمایہ آج بھی محفوظ ہے جس سے علمائے پنجاب کا مرتبہ متعین کیا جا سکتا ہے۔

یہی حال سندھ، سرحد اور بلوچستان کا ہے۔ امید ہے پاکستان کے علمی ادارے اس طرف توجہ دیں گے۔ (ابو شاہد)

(۲)

جنازہ غائبانہ	مولانا کرم الدین السلفی
صفحات	۹۶
قیمت	؟
پتہ	کرم الدین مدرس دار الحدیث رحمانیہ۔ سولجر بازار۔ کراچی ۳

کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں جتنی کتابیں تالیف کی گئی ہیں زیرِ تبصرہ کتاب ان سب سے جامع اور محققانہ ہے۔

مؤلف نے سب سے پہلے آخرت کا منظر پیش کیا، کہ وہاں کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا۔ اپنے ہوں یا پرائے، سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ اِلَّا المتقین۔

اس کے بعد جنازہ کی حقیقت سمجھائی گئی ہے، پھر کیفیت نمازِ جنازہ، اور بعد از دفن اہلِ قبور کو کس طرح دعا کا انتظار رہتا ہے؟

غائبانہ نمازِ جنازہ کا ثبوت، احادیث مرفوعہ، قول اور فعل، پھر آثار موقوفہ، تعامل ائمہ اکرام اپنے اپنے عہد میں انہوں نے کس طرح ایک دوسرے کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی اور بعض احادیث کی تشریح اور توضیح، اقوالِ ائمہ اور بعض روایات کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ جو خاصہ دلچسپ اور محققانہ ہے۔ بالخصوص اس سلسلے میں مؤلف نے تاریخی شہادتوں کا انبار لگا دیا ہے، جن کی تعداد (۱۴۳) بنتی ہے۔ جن میں علمائے شافعیہ، حنبلیہ، مالکیہ اور حنفیہ سب کا تعامل آجاتا ہے۔ پاکستان میں جن زعماء اور قائدین کی

غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور خود حنفی علمائے کرام نے بھی پڑھائی، ان کی بھی ایک لسٹ پیش کی گئی ہے۔

اخیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد پیش کر کے کتاب کو ختم کیا ہے کہ: نبیٔ معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہم تک پہنچ جائے، اس کے بعد ہم چونکہ چنانچہ کر کے اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کریں تو قیامت میں ہم اس کا کیا جواب دیں گے۔

اس میدان میں علمائے دیوبند کی ذمہ داریاں سب سے زیادہ ہیں کیونکہ وہ اہلِ علم طبقہ ہے۔ مگر افسوس! انھوں نے اپنی علمی قوت کے ذریعے باب حدیث تک پہنچنے کے بجائے محض دائرہ حنفیت کو محیط اور غالب رکھنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے ہیں اور بے شمار تاویلوں کے ذریعے ہند میں بالخصوص مسلمانوں کو اندھیرے اور مغالطے میں مبتلا فرماتے ہیں جن کی وجہ سے عموماً لوگوں کے دل سے احساسِ زیاں بھی جاتا رہا ہے۔ حنفیت سے زیادہ "حنفیت" کو متاعِ عزیز بنا کر اور پیش فرما کر دین کی کچھ قابلِ ذکر خدمت انجام نہیں دی، ان کی کتب شروح کے مطالعہ کے بعد حدیث کا قرب کم نصیب ہوتا ہے۔ وہاں بھی حنفیت ہی ان کو زیادہ ملحوظ رہی ہے۔ گو ہم اسے بدنیتی پر محمول نہیں کرتے تاہم ان کی یہ بھول بہت بڑی بھول ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳)

تاریخ اہلحدیث	الشیخ احمد الدہلویؒ
مترجم	ڈاکٹر محمد منیر زبیر الواعی السلفی
صفحات	۱۲۰
قیمت	۳/۷۵ روپے
ملنے کا پتہ	اسلامی اکادمی ناشران کتب۔ اردو بازار۔ لاہور

اہلحدیث۔ جو جماعت، سنت کو کتاب کی ترتیب نہیں، اسے اس کی ترجمان تصور کرتی ہے۔ جس کی فکری اور نظری کاوشوں کا محور "قال اللہ وقال الرسول" ہے۔ جو دوسرے علم و دانش کے تمام اقسام کو "کتاب وسنت" کے خدام کی حیثیت سے اختیار کرتی اور حاصل کرتی ہے، جو طائفہ منصورہ ملتِ اسلامیہ کے تمام قابلِ ذکر زعما اور عظیم شخصیتوں کو "رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم" کی متوازی گدیاں تصور کرنے کے بجائے ان کو اس کے خدام اور اس کی شمع سنت کے پروانے خیال کرتی ہے اور جس کے نزدیک مسائل و احکام اور شریعت کا ماخذ تنہا کتاب نہیں، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ بھی ہے، اسے

عصری زبان میں "اہلحدیث، طائفہ منصورہ، سلفی اور اہل السنۃ والجماعۃ" کے لقب اور نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ کوئی "فرقہ" نہیں ہے بلکہ فرقہ بندی اور تحزب کے خلاف ایک "صدائے احتجاج اور ضرب کلیمی" ہے، جو ملتِ اسلامیہ کی ملی وحدت کے لیے ان تمام یونٹوں اور اکائیوں کے خلاف سینہ سپر ہے جو کسی بھی درجہ میں، اتحاد امت کے نام پر امتِ محمدیہ کو مختلف وحدتوں میں تقسیم کرنے کا موجب ہو سکتی ہیں۔

مندرجہ بالا کتاب میں بس اسی جماعت کا تعارف، اور اسی سلسلہ کی دوسری تفصیلات پیش کی گئی ہیں جو دراصل "تاریخ اہل حدیث و تعیین الفرقۃ الناجیہ وانہا طائفۃ اہل الحدیث" مؤلفہ حضرت الشیخ احمد الدہلوی ثم المدنی کا اردو ترجمہ ہے۔

افتتاحیہ میں مولانا ابو الکلام آزادؒ کی کتاب "تذکرہ" کا ایک اقتباس دیا گیا ہے۔ مولانا فرید کوٹی نے اپنے ایک نوٹ کے ذریعے متقدمین سے کچھ سوالات کیے ہیں جس سے کتاب کی معنویت اور ہمہ گیری کچھ زیادہ اجاگر نہیں ہوئی بلکہ کتاب کی وسعتوں کو بھی مناسب نکھار حاصل نہیں ہوا۔

مترجمین نے کتاب کو اپنے استاذ مولانا بدھوانی کے نام نامی سے منسوب کیا ہے۔

تاریخ اہل حدیث (عربی) ۱۳۵۲ھ میں مطبع کریمی لاہور میں شائع ہوئی تھی، جس میں اغلاط بھی رہ گئی تھیں، اس کے علاوہ اس پر بعض مفید حواشی بھی دیے گئے تھے مگر مترجمین نے ان حواشی کی طرف توجہ نہیں دی۔

جب ایک کتاب پر کام کیا جاتا ہے تو مناسب ہوتا ہے کہ کچھ مناسب تعلیقات کا اضافہ بھی کیا جائے، خاص کر ان شخصیتوں کا تعارف ہی کرا دیا جاتا جن کا کتاب میں ذکر آیا ہے۔

ذیلی عنوان مقرر کرتے وقت "احتیاط" برتی جاتی تو زیادہ مفید رہتا۔ اسی طرح بعض جگہ ترجمہ میں ثقاہت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا — تاہم مترجمین نے کتاب پر جو محنت کی ہے، مجموعی لحاظ سے قابلِ قدر ہے۔ اردو خواں طبقہ کے مطالعہ کے لیے بہتر سرمایہ ہے۔ امید ہے مکرر طباعت کے موقعہ پر اس پر مزید توجہ دے کر اس کو زیادہ سے زیادہ جاذبِ توجہ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

(۴)

مسلمان خواتین کے لیے ۲۰ سبق — مولانا عاشق الٰہی بلند شہری

صفحات — ۱۲۸

قیمت — ۳/- روپے

پتہ کتب خانہ شان اسلام۔ اردو بازار۔ لاہور

کلمہ طیبہ، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ، دین سیکھنا، بچوں کی تعلیم، اللہ کا ذکر، حقوق العباد، خدمت خلق، حقوق والدین، شوہر اور پڑوسی کے حقوق، اخلاص، زبان کی حفاظت، اکل حلال، لباس اور زیور، پردہ، اصلاح معاشرہ، نیکیاں پھیلانا، یہ وہ موضوع ہیں جن کو خواتین کے لیے سلیس اور سادہ زبان میں الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ گو اس سے مرد اور بچے بھی یکساں فائدہ حاصل کر سکتے ہیں تاہم لکھتے وقت خواتین کی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مشکوٰۃ اور ترغیب و ترہیب کی احادیث سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے مگر جہاں جہاں جو روایت بیان کی گئی ہے وہاں پر اس کا حوالہ نہیں دیا گیا —— اسی طرح جہاں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے، وہاں بھی اس کے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ اگر کر لی جاتی تو زیادہ تسکین کا باعث ہوتی۔ اس طرح تحقیق اور تجسس کے لیے تحریک بھی ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر قاری مقلد ہو، مقلد بھی ہو تو اس کے دل میں اصل کتاب معلوم کرنے کی خواہش بھی نہ ہو، ضروری نہیں ہے۔ (عزیز زبیدی)

اہم اعلان

قارئین کرام بخوبی آگاہ ہیں کہ غزنوی و صدیقی نمبر کے بعد ادارہ "الاسلام" نے شیخ الاسلام

محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ

کی دعوت و سیرت اور کارہائے نمایاں پر مشتمل خصوصی اشاعت کی ترتیب شروع کر رکھی ہے اور اس کے بہت سے ابتدائی مراحل طے ہو چکے ہیں —— اس کے ساتھ ساتھ اب ... "الاسلام" نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ برصغیر کے نامور عالم دین سابق امیر جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان اور سابق مہتمم جامع محمدیہ گوجرانوالہ شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

کی دینی و ملی خدمات اور حالات زندگی پر مشتمل ایک شاندار نمبر شائع کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

لہٰذا اہل قلم احباب سے التماس ہے کہ وہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق مضامین کے ساتھ ساتھ مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی اپنے مضامین نظم و نثر مکاتیب اور دیگر متعلقہ کوائف ارسال فرمائیں تاکہ ان اہم ذمہ داریوں سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہوا جا سکے۔

(ادارہ)

نوجوان علماء میں قدیم وجدید علوم کی جامعیت اور ماہرانہ تربیت کیلئے

الجامعۃ السلفیۃ
(درجہ تکمیل و تخصص)

جماعت اہلحدیث کے لیے صاحب تحقیق مصنف، تربیت یافتہ مدرس اور بہترین خطیب مہیا کرنے کے لیے علم و ادب کے مرکز لاہور میں اعلیٰ تعلیم و تربیت کا مرکزی منصوبہ۔

* بلند پایہ محقق علماء اور پروفیسر حضرات کی تدریس۔
* عمدہ اور وسیع لائبریری سے استفادہ۔
* اہم موضوعات پر تقریری و تحریری مقالات اور مذاکرات علمیہ

کے تجرباتی طریقوں سے

- قرآن و سنت کی گہری بصیرت اور جدید علوم کا مطالعہ
- مشہور مذاہب، مکاتب فکر اور تحریکوں کا تقابلی جائزہ
- مختلف محکمہ جات، سماجی، قومی اور بین الاقوامی اداروں کی واقفیت اور معلومات عامہ
- عربی زبان کی تقریری و تحریری مشق کا خاطر خواہ انتظام۔

MUHADDIS
Regd. No. L. 7895

پہلا سال: علمی تکمیل و جامعیت کے لیے — اور — دوسرا سال: تحقیق و تصنیف، درس و تدریس اور دعوت و خطابت کے شعبہ جات میں سے کسی ایک میں تخصص کے لیے۔
دو سالہ نصاب کی تکمیل کی شرط پر رہائش و تعلیم کے مفت انتظام کے علاوہ دوران تربیت کفالت کیلئے ۲۵۰/ روپے ماہوار وظیفہ۔

حافظ محمد یحییٰ عزیز
ناظم تعلیمات مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان
حدیث منزل ۷- ایبک روڈ (انار کلی) لاہور